اسلام کا تصوّرِ ملکیت

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری

منہاج القرآن پبلیکیشنز

اِسلام کا تصوّرِ ملکیت

مِنہاجُ القرآن پبلیکیشنز

365-ایم، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون: 5168514، 042-111-140-140

یوسف مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور، فون: 042-7237695

www.Minhaj.org - sales@Minhaj.org

www.MinhajBooks.com

منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَآئِمًا اَبَدًا

عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمِ

وَلَا الْتَمَسْتُ غِنَی الدَّارَیْنِ مِنْ یَّدِهٖ

اِلَّا اسْتَلَمْتُ النَّدٰی مِنْ خَیْرِ مُسْتَلَمِ

حکومتِ پنجاب کے نوٹیفکیشن نمبر ایس او (پی۔۱) ۴-۱-۴ / ۸۰ پی آئی وی، مؤرّخہ ۳۱ جولائی ۱۹۸۴ء؛ حکومتِ بلوچستان کی چٹھی نمبر ۸۷-۴-۲۰ جنرل وایم ۴ / ۷۰-۹۷-۳-۷، مؤرّخہ ۲۶ دسمبر ۱۹۸۷ء؛ حکومتِ شمال مغربی سرحدی صوبہ کی چٹھی نمبر ۲۴۴۱۱-۶۷ این۔۱ / اے ڈی (لائبریری)، مؤرّخہ ۲۰ اگست ۱۹۸۶ء؛ اور حکومتِ آزاد ریاست جموں و کشمیر کی چٹھی نمبر س ت / اِنتظامیہ ۶۳-۸۰۶۱ / ۹۲، مؤرّخہ ۲ جون ۱۹۹۲ء کے تحت ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی تصنیف کردہ کتب تمام سکولز اور کالجز کی لائبریریوں کے لئے منظور شدہ ہیں۔

www.MinhajBooks.com

جملہ حقوق بحقِ تحریکِ منہاجُ القرآن محفوظ ہیں

نام کتاب	:	اِسلام کا تصوّرِ ملکیت
تصنیف	:	شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری
ترتیب و تدوین	:	ڈاکٹر کرامت اللہ
تخریج	:	حسنین عباس
زیرِ اہتمام	:	فریدِ ملّت رحمۃ اللہ علیہ رِیسرچ اِنسٹی ٹیوٹ Research.com.pk
مطبع	:	منہاجُ القرآن پرنٹرز، لاہور
اِشاعتِ اَوّل	:	مارچ 2008ء
تعداد	:	1,100
قیمت اِمپورٹڈ کاغذ	:	-/120 روپے

نوٹ: شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی تمام تصانیف اور ریکارڈ شدہ خطبات و دروس کے کیسٹس اور CDs سے حاصل ہونے والی جملہ آمدنی اُن کی طرف سے ہمیشہ کے لیے **تحریکِ منہاجُ القرآن** کے لیے وقف ہے۔
(ڈائریکٹر منہاجُ القرآن پبلی کیشنز)

fmri@research.com.pk

منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش www.MinhajBooks.com

فہرس

صفحہ	عنوانات
۱۱	پیش لفظ
	باب اوّل
۱۳	اسلام کا تصورِ ’’مال‘‘
۱۶	لغوی معنی
۱۹	اسلامی تصورِ مال
۱۹	۱۔ تمام مال ملکیتِ الٰہیہ ہے
۲۱	۲۔ انسان مال کا امین ہے
۲۱	۳۔ اکتسابِ مال
۲۶	۴۔ اکتسابِ مال کے مقاصد
۲۸	۵۔ اکتسابِ مال کا طریقۂ کار
۳۰	۶۔ صرفِ مال
۳۷	۷۔ بخل اور اِسراف وتبذیر سے اِجتناب
۴۱	۸۔ اِقتصاد و اِعتدال کا حکم

www.MinhajBooks.com

عنوانات	صفحہ
۹۔ مال کی پس اندازی	۴۳
۱۰۔ مال ذریعہ ہے منزل نہیں	۴۷
۱۱۔ ضیاع مال کی ممانعت	۴۹
بحث کا خلاصہ	۵۱
باب دُوُم	
اِسلام کا تصورِ ملکیت	**۵۳**
معاشی مسئلہ	۵۵
معاشی مسئلہ کی سہ جہتی اہمیت	۵۷
تصورِ ملکیت	۵۸
۱۔ ملکیت کی لغوی تحقیق	۶۰
۲۔ مفہومِ ملکیت	۶۱
۳۔ ملکیت کی تعریف	۶۱
۴۔ مالک اور ملکیت میں افادیت کا پہلو	۶۱
۵۔ بالقوہ افادیت اور بالفعل افادیت	۶۴
۶۔ علّتِ ملکیت	۶۵

صفحہ	عنوانات
۶۷	۷۔حقِ انتفاع کی حقیقت
۷۰	۸۔حقِ تملّک کی حقیقت
۷۰	(۱) حقِ تملک قرآن مجید کی روشنی میں
۷۳	(۲) حقِ تملّک احادیث کی روشنی میں
۷۴	(۳) حقِ تملّک: فقہ اسلامی میں
۷۵	۹۔انفرادی حقِ ملکیت
۷۶	۱۰۔حقِ ملکیت کی صحت ومشروعیت کی شرائط
۸۰	۱۱۔زائد از ضرورت مال کی شرعی حیثیت
۸۱	۱۲۔حقِ تملّک اور حقِ انتفاع میں فرق
۹۱	۱۳۔ارتکازِ دولت کی حیثیت
۹۳	**تحدیدِ ملکیت**
۹۵	تحدیدِ ملکیت کے منافی نقطہ نظر رکھنے والوں کے دلائل اور ان کا رد
۱۱۱	بحث کا ماحصل

www.MinhajBooks.com

عنوانات	صفحہ
باب سوُم	
اِنفاق فی المال	۱۱۳
معنی اور حقیقتِ موضوع	۱۱۵
قرآن مجید اور حدیثِ مبارکہ میں انفاق فی المال کا حکم	۱۱۵
حکمِ انفاق کی دو سطحیں	۱۲۵
اِنفاقِ واجبہ اور اِنفاقِ نافلہ میں اِمتیاز	۱۲۹
نصابِ انفاق اور حدِ انفاق کا مسئلہ	۱۳۰
اِنفاق اصلاً نصاب سے ماوراء ہے	۱۳۱
انفاق اصلاً تحدید سے ماوراء ہے	۱۳۳
انفاق میں غناءِ مال اور غناءِ نفس کا امتیاز	۱۳۸
انفاق فی المال کی مختلف جہات	۱۴۰
۱۔عملِ انفاق تزکیۂ مال کا باعث ہے	۱۴۲
۲۔عملِ اِنفاق تزکیۂ نفس کا باعث ہے	۱۴۴
۳۔"اِنفاق فی المال ہی برّ وتقویٰ کی اساس ہے	۱۴۵
حصولِ بر کے لئے عملِ انفاق	۱۴۶

صفحہ	عنوانات
۱۴۸	سورۃ البقرۃ میں متقین کی تعریف
۱۵۰	۴۔عملِ انفاق اجابتِ دعا کا باعث ہے
۱۵۴	۵۔عملِ انفاق تصدیقِ دین ہے اور ترکِ انفاق تکذیبِ دین
۱۵۸	۶۔سورۃ الماعون اور حقیقتِ انفاق
۱۶۳	۷۔معاشی بحالی کی جدوجہد ہی روحِ نماز ہے
۱۶۷	۸۔غرباء کے معاشی حقوق کی ادائیگی اصل دینداری ہے
۱۷۰	۹۔عملِ انفاق ہی رضائے الٰہی کی حقیقی اساس ہے
۱۷۲	۱۰۔انفاق فی المال کے معاشی ثمرات
۱۷۵	❁ مآخذ و مراجع

www.MinhajBooks.com

پیش لفظ

اسلام انسانیت کے لیے فلاح اور نفع بخشی کا دین ہے۔ اسلام نے زندگی کے ہر میدان میں استحصال کی ہر شکل کی نفی کی ہے اور انسانی معاشرے کے لئے معیشت کو استحصال سے پاک اور نفع بخشی کی بنیادوں پر استوار کیا ہے۔ کسی بھی نظامِ معیشت میں مال اور ملکیت کا تصور مرکزی اہمیت کا حامل ہوتا ہے کیونکہ اس سے کسی بھی معاشی نظام کے خد و خال تشکیل پاتے ہیں۔ اسلام نے اللہ تعالیٰ کے لئے ہر نوعیت کے اقتدارِ اعلیٰ کا تصور دیتے ہوئے زمین پر انسان کو اللہ کا خلیفہ اور نائب قرار دیا ہے۔ معیشت کے میدان میں امانت کا تصور عطا کرتے ہوئے یہ تعلیم دی گئی ہے کہ ہر چیز کا مالک اللہ ہے اور انسان کو اَموالِ معیشت پر محض نیابتاً حقِ تصرف حاصل ہے جسے وہ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ قواعد و ضوابط کی روشنی میں ہی استعمال کرسکتا ہے۔ امانت اور نیابت کے تصور سے جنم لینے والے اصولِ ملکیت نے اسلام کے نظامِ معیشت میں استحصال کی ہر شکل کی نفی کردی ہے جس سے ایک حقیقی فلاحی ریاست کے قیام کی بنیاد میسر آتی ہے۔

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ العالی کی زیرِ نظر تصنیف ''اِسلام کا تصوّرِ ملکیت'' میں اسلام کے تصورِ مال اور تصورِ ملکیت کو شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اِسلام کے تصورِ مال کی توضیح کرتے ہوئے اسلام کے بنیادی مصادر کی روشنی میں اس امر کی وضاحت کی گئی ہے کہ تمام اَموال کا مالکِ حقیقی اللہ تعالیٰ ہے اور انسان صرف اس کا امین ہے۔ گو انسان کو مال کے اکتساب، ملکیت اور تصرف کا حق دیا گیا ہے مگر یہ حق مطلق نوعیت کا نہیں بلکہ ان قواعد و ضوابط کا پابند ہے جو مالکِ حقیقی نے عطا کیا۔ لہٰذا جب بھی حقِ ملکیت یا حقِ تصرف کو رُو بہ عمل لایا جائے گا تو اس میں اقتصاد و اعتدال کا لحاظ سرِ فہرست ہوگا۔ اسی طرح بخل اور اَسراف و تبذیر سے اجتناب اور معاشرے کے لئے نفع

بخشی اور فیض رسانی کا لحاظ بھی حقِ ملکیت اور حقِ تصرف کو استعمال کرتے ہوئے پیشِ نظر رکھنا ہوگا۔ اسی نکتے کی توضیح ''انفاق فی المال'' کے عنوان کے تحت کی گئی ہے اور اس امر کی وضاحت کی گئی ہے کہ انفاق فی المال ایک نفلی عمل نہیں بلکہ قرآن وسنت کی بنیادی تعلیم اور شریعت کا بنیادی تقاضا ہے جس کے بغیر عقائد، عبادات اور شریعت کی تمام تعلیمات کے اندر روح باقی نہیں رہتی، حتیٰ کہ انفاق کے انکار کو تکذیبِ دین تک قرار دیا گیا ہے۔ الغرض شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی زیرِ نظر تصنیف اِسلامی معاشی نظام کے بنیادی اَفکار کے ابلاغ اور معاشرے میں ان کے فروغ کا مؤثر وسیلہ ثابت ہوگی۔

ڈاکٹر طاہر حمید تنولی

ناظم تحقیق، تحریک منہاج القرآن

۱۱ مارچ، ۲۰۰۸ء

www.MinhajBooks.com

بابِ اوّل

وَاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِىْٓ اٰتٰـكُمْ

(النور، ۲۴: ۳۳)

اِسلام کا تصورِ ''مال''

www.MinhajBooks.com

معاشیات، مال، وسائل و ذرائع مال اور مال کے خرچ ہونے کی مدات کے مطالعے کا نام ہے۔ سو جملہ معاشی مباحث اُس وقت ہی مکمل ہو سکتے ہیں جب مال کی ماہیت، تخلیق اور افرادِ معاشرہ کے ساتھ اس کے تعلق یعنی ملکیت کی نوعیت اور اس مال کے خرچ کرنے کی مدات اور قواعد وضوابط کا تفصیلی مطالعہ کیا جائے۔ کسی بھی نظامِ معیشت میں تصورِ مال، تصورِ ملکیت اور مال کو خرچ کرنے کے قواعد وضوابط ہی اُس نظام معیشت کی جہت، مزاج اور نوعیت کا تعین کرتے ہیں۔ اسلام کا عطا کردہ نظامِ معیشت جن امتیازات کا حامل ہے اور جن بنیادی اسباب کے باعث دیگر نظام ہائے معیشت سے مختلف ہے اُس کا بنیادی نکتہ اِسلام کے عطا کردہ تصورِ مال اور تصورِ ملکیت کا فرق ہے، جس کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ دنیا کے ہر نظامِ معیشت میں صاحبِ مال اپنے مال کے تصرف میں کلیتًا آزاد ہے چاہے وہ فرد ہو یا ریاست، جبکہ اسلام کے عطا کردہ نظامِ معیشت کے اندر کوئی بھی صاحبِ مال، ملکیت کا حق رکھنے کے باوجود اپنے مال کو خرچ کرنے میں مطلقًا آزاد نہیں ہے بلکہ اُسے اُن قواعد وضوابط کی پابندی لازمًا کرنی ہے جو اللہ رب العزت نے مالکِ حقیقی ہوتے ہوئے انسان کو بطور نائب یا امین کے عطا کیے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ قرآن حکیم نے جا بجا انفاق فی المال کو عقائد اور عبادات کے ساتھ ذکر کرتے ہوئے دین کی ایک بنیادی ضرورت قرار دیا ہے اور اس کا اتنا زیادہ تکرار کیا گیا ہے کہ اسلام کی طرف سے عائد کیے گئے مالیاتی فرائض اور احکام سے بھی کئی گنا زیادہ مرتبہ انفاق فی المال کی ترغیب دی گئی ہے۔ جسے قرآن و سنت کی روح کو پیش نظر رکھتے ہوئے کسی بھی طور ایک نفلی عمل قرار نہیں دیا جا سکتا بلکہ اسلامی معاشرے کی تشکیل وتعمیر کا ایک بنیادی تقاضہ قرار پاتا ہے۔اس کتاب میں ہم اسلامی نظام معیشت کو سمجھنے کی خاطر انہیں بنیادی تین تصورات یعنی تصور مال، تصور ملکیت اور انفاق فی المال سے بحث کریں گے۔

لغوی معنی

مال کے لغوی معنی جھکنے، ایک طرف مڑ جانے اور خم کھانے کے ہیں، علاوہ ازیں یہ لفظ کئی اور مفاہیم میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

۱۔ لفظ مال کی تعریف کرتے ہوئے امام راغب الاصفہانی (م۵۰۲ھ) لکھتے ہیں:

العدول عن الوسط إلی أحد الجانبین والمال سُمّي بذلک. (۱)

’’وسط سے ایک جانب کو مڑ جانا اور (مال) کو مال بھی اسی وجہ سے کہتے ہیں۔‘‘

۲۔ مال کی تعریف عام طور پر فقہاء کرام نے ان الفاظ میں کی ہے:

المال: ما یمیل إلیه الطبع ویمکن ادخاره لوقت الحاجة والمالیة تثبت بتمول الناس کافة أو بعضهم. (۲)

’’مال وہ چیز ہے جس کی طرف انسانی طبیعت مائل ہو اور اس کا مشکل وقت کے لئے جمع کیا جانا بھی ممکن ہو اور مالیت تمام لوگوں یا بعض لوگوں کے متمول ہونے سے ثابت ہو جاتی ہے۔‘‘

۳۔ بعض فقہاء نے اس کی تعریف درج ذیل الفاظ سے کی ہے:

المال: کل ما یملک وینتفع به وسمي مالاً لمیل الطبع إلیه. (۳)

’’ہر وہ چیز جس کی ملکیت ممکن ہو اور اس سے فائدہ اٹھایا جا سکے مال کہلاتی ہے۔ اسے مال اس لئے کہتے ہیں کہ اس کی طرف انسانی طبیعت کا میلان ہوتا ہے۔‘‘

---

(۱) اصفهاني، مفردات الفاظ القرآن: ۷۸۳

(۲) ابن عابدین، رد المحتار علی در المختار، ۴: ۳

(۳) السید سابق، فقه السنة، ۳: ۴۶

۴۔ امام اعظم ابوحنیفہ (۸۰۔۱۵۰ھ) کے نزدیک ہر اس شے کو جسے عند الضرورۃ فائدہ حاصل کرنے کے لئے ذخیرہ (جمع) کیا جا سکے، مال کہتے ہیں اور آپ کے قول کے مطابق کسی شے کا قیمتی ہونا از خود اس کی مالیت کو ثابت کرتا ہے جبکہ امام شافعی (۱۵۰۔۲۰۴ھ) کے نزدیک محض امکانِ ملکیت سے مالیت ثابت ہو جاتی ہے۔ علامہ ابن عابدین شامی حنفی (۱۲۴۴۔۱۳۰۶ھ) کے اصل الفاظ ملاحظہ ہوں:

المال: ما من شأنه أن يدّخر للانتفاع وقت الحاجة والتقويم يستلزم المالية عند الإمام والملك عند الشافعي.(۱)

''مال وہ شے ہے جسے حاجت کے لئے جمع کیا جا سکے امام اعظم کے نزدیک شے کا قیمتی ہونا اور امام شافعی کے نزدیک امکانِ ملکیت سے مالیت کا ثبوت ہوتا ہے۔''

۵۔ ابن عابدین شامی مزید لکھتے ہیں:

المال اسم لغير الآدمي خلق لمصالح الآدمي وأمكن احرازه والتصرف فيه على وجه الاختيار.(۲)

''آدمی کے سوا ہر وہ چیز جو انسان کے فائدے کے لئے تخلیق کی گئی ہے مزید برآں اس کا محفوظ کرنا اور اس میں اختیاری طور پر تصرف کرنا بھی ممکن ہو مال کہلاتی ہے۔''

لفظ مال بمعنی مالیات، دولت، علم (معاشیات)، بیت المال، ذھب، دینار، درہم وغیرہ بھی مستعمل ہے۔ قدیم عربی زبان میں اس کے معنی کوئی مقبوضہ یا مملوکہ چیز کے ہیں۔ بدویوں کے ہاں اس سے خاص طور پر اونٹ مراد ہوتے تھے۔ لیکن اس لفظ کا اطلاق

(۱) ابن عابدین، رد المحتار علی در المختار، ۴: ۳

(۲) ابن عابدین، رد المحتار علی در المختار، ۴: ۳

جائیداد اور روپے پیسے پر بھی ہوتا ہے، اس طرح اس کا اطلاق کسی قسم کی بھی مادی اشیاء پر ہوسکتا ہے (جو منفعت اور ضرورت کے نقطۂ نظر سے وسیلہ بن سکیں) یہ لفظ "ما" اور "ل" کا مجموعہ ہے اور اس کا صحیح مفہوم یہ ہے: ''کوئی ایسی شے جو کسی کی ملکیت ہو۔'' بحیثیت اسم اسے قدرتی طور پر مادہ ''م۔و۔ل'' سے مشتق قرار دے کر اس سے فعل ''تَمَوُّل'' بنتا ہے۔ نقدی کے مفہوم میں اس لفظ کو ''مالِ صامت'' (گونگا مال) کی شکل میں استعمال کیا جاتا ہے، برعکس ''مال ناطق'' (بولنے والا مال) کے جو غلاموں اور مویشیوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

۶۔ مال کے مفہوم میں ''ملکیت'' شامل ہے النہایہ میں ابنِ اثیر (۵۴۴۔۶۰۶ھ) لکھتے ہیں:

المال في الأصل ما يملک من الذهب و الفضة ثم أطلق على كل ما يقتنى و يملک من الأعيان. (۱)

''اصل مال سے مراد سونا چاندی ہے پھر اس کا اِطلاق ہر اس شے پر ہوتا ہے جسے کمایا جائے اور مادی چیزوں میں سے باقاعدہ ملکیت میں رکھا جائے۔''

قرآن مجید میں لفظ ''مال'' مختلف لفظی شکلوں کے ساتھ ۸۶ بار آیا ہے۔ علاوہ ازیں احادیثِ نبوی ﷺ میں متعدد جگہوں پر یہ لفظ مذکور ہے۔ متعلقہ آیاتِ قرآنی اور احادیثِ مبارکہ میں مال کی ماہیت، مال کمانا اور خرچ کرنا، اکتسابِ مال میں حلال و حرام کی تمیز، مالداروں کی نفسیات، ان کے اوصاف، عادات و خصائل اور ان کا انجام کار اور صرفِ مال کے اسلامی اصول وضوابط وغیرہ بیان ہوئے ہیں۔

معاشیات کی دنیا میں لفظ مال کا مترادف ''زر'' (Money, Wealth, Capital) ہے چاہے وہ نقد (Cash) کی شکل میں ہو یا اجناس، جانور، معدنیات،

(۱) ابن اثیر، النهاية في غريب الحديث والأثر، ۴: ۳۷۳

عمارات، جائیداد وغیرہ کی شکل میں ہوں۔ دورِ جدید میں سکے (Coins)، کرنسی نوٹ، ڈرافٹ اور ہنڈیاں (Drafts and Bills)، خزانے کی ہنڈیاں (Treasury Bills)، بانڈز (Bonds)، سرمایہ جاتی حصص (Equity Shares)، معین امانتیں اور بچتوں کی امانتیں (Fixed Deposits and Savings)، بچتوں کے سرٹیفکیٹس (Saving Certificates)، ٹریولر چیک، انشورنس کمپنیوں کی پالیسیاں، جنرل پراویڈنٹ فنڈ کی بچتیں، بینکوں، ڈاکخانوں اور دیگر مالی اداروں کی ماہانہ، ششماہی اور سالانہ انکم سکیمیں، حکومت کے جاری کردہ انعامی بانڈز اور کریڈٹ کارڈ (Credit Card) وغیرہ سب زرِ عینی مال کے زمرہ میں آتے ہیں۔

اِسلامی تصورِ مال

اسلام مال کے ضمن میں واضح تعلیمات و ہدایات پیش کرتا ہے۔ ذیل میں اس کا تفصیلی جائزہ پیش کیا جاتا ہے:

۱۔ تمام مال ملکیتِ الٰہیہ ہے

قرآن مجید نے قطعی طور پر اس حقیقت کو آشکار کیا ہے کہ زمین و آسمان میں جو کچھ بھی ہے وہ اللہ ﷻ کا تخلیق کردہ ہے۔ وہی ہے جو ان کے نظام سے واقف ہے اور احسن طریقے سے ان کے نظام کو چلا رہا ہے۔ اس طرح یہ بات عیاں ہے کہ وہ ان کا مالکِ حقیقی ہے۔

۱۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ط وَ اِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ یُحَاسِبْکُمْ بِهِ اللّٰهُ ط فَیَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَ یُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ ط وَاللّٰهُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌo[1]

(۱) البقرة، ۲: ۲۸۴

’’جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے سب اللہ کے لئے ہے، وہ باتیں جو تمہارے دلوں میں ہیں خواہ انہیں ظاہر کرو یا انہیں چھپاؤ اللہ تم سے اس کا حساب لے گا، پھر جسے وہ چاہے گا بخش دے گا اور جسے چاہے گا عذاب دے گا، اور اللہ ہر چیز پر کامل قدرت رکھتا ہےo‘‘

۲۔ اسی طرح فرمایا:

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللهَ لَهٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ. [۱]

’’کیا تمہیں معلوم نہیں کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اللہ ہی کے لئے ہے۔‘‘

۳۔ اور پھر فیصلہ کر دیا:

وَلَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَهُ الدِّيْنُ وَاصِبًا ط اَفَغَيْرَ اللهِ تَتَّقُوْنَo وَ مَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيْهِ تَجْئَرُوْنَo [۲]

’’اور جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے (سب) اسی کا ہے اور (سب کے لئے) اسی کی فرمانبرداری واجب ہے۔ تو کیا تم غیر از خدا (کسی) سے ڈرتے ہوo اور تمہیں جو نعمت بھی حاصل ہے سو وہ اللہ ہی کی جانب سے ہے، پھر جب تمہیں تکلیف پہنچتی ہے تو تم اسی کے آگے گریہ وزاری کرتے ہوo‘‘

سورۃ النحل میں استفہامیہ انداز اختیار کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے اپنی خالقیت اور تمام مخلوقاتِ زمین اور اس کی ساری موجودات کا مالک ہونے کی حقیقت کو آشکار کر دیا۔ اس طرح یہ ثابت ہوا کہ مال جس حالت میں بھی ہے اس کا حقیقی مالک اللہ ہی ہے۔

(۱) البقرة، ۲: ۱۰۷

(۲) النحل، ۱۶: ۵۲، ۵۳

۲۔ انسان مال کا امین ہے

مذکورہ بالا آیاتِ قرآنیہ سے بھی یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ انسان کے پاس جو مال و املاک ہیں ان کا اصل مالک اللہ ہے۔ انسان محض اللہ کا نائب ہونے کے ناتے ان املاک میں تصرف کا مجاز ہے۔ لیکن اس کا تصرف اور رویہ مالکِ حقیقی کی ہدایات اوراوامر و نواہی کے تحت ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی گونا گوں عنایات میں سے افراد کو مال سے نوازا۔ گویا ایک امانت سونپی اوراس کے تصرف کا اختیار دیا۔ اس کا یہ مطلب ہوا کہ انسان کے مال پر مالکانہ حقوق مطلق نہیں بلکہ محدود اور مقید ہیں۔ جو اس کو اللہ ہی کے دیئے ہوئے مال کا امین ہونے کا شرف بخشتے ہیں۔ اللہ کا نائب اور اللہ کے دیئے ہوئے مال کا امین ہونے کی حیثیت سے انسان کے لیے ضروری ہے کہ وہ مالکِ حقیقی کے احکامات بجا لائے۔ مالکانہ تصرف کے باب میں خود کو آزاد سمجھنا اور ہدایاتِ خداوندی سے اجتناب و انحراف کرنا صریح گمراہی ہے۔

۳۔ اکتسابِ مال

اسلام انسان کی جسمانی زندگی، اس کے تقاضوں اور اس کی مادی ضرورتوں کو نظر انداز نہیں کرتا، وہ اپنے ماننے والوں کو ترکِ دنیا یعنی رہبانیت کی تعلیم نہیں دیتا بلکہ اس کی نفی کرتے ہوئے پیغمبرِ اسلام حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے اعلان فرمایا:

لا رهبانية في الإسلام.(۱)

''اسلام میں گوشہ نشینی نہیں۔''

اسی طرح اسلام کے نزدیک انسان میں مستور ممکنہ قوتیں اورخوابیدہ صلاحیتیں اسی وقت بیدار ہوتی ہیں جب وہ کشمکش حیات اورمعاشی جدوجہد (Economic

(۱) ۱۔ عسقلاني، فتح الباري، ۹: ۱۱۱، رقم: ۴۷۷۸

۲۔ شوکاني، نيل الأوطار شرح منتقى الأخبار، ۶: ۲۳۱

(Activities) میں بھر پور حصہ لیتا ہے۔ قرآن حکیم اور احادیثِ نبوی ﷺ میں بہترین اور منظّم انداز میں کسبِ مال، اکتسابِ دولت اور حصولِ منفعت کی دعوت و ترغیب دی گئی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

۱۔ وَ اَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰیO(۱)

''اور یہ کہ انسان کو (عدل میں) وہی کچھ ملے گا جس کی اُس نے کوشش کی ہو گی (رہا فضل اس پر کسی کا حق نہیں وہ محض اللہ کی عطاء و رضا ہے جس پر جتنا چاہے کر دے)O''

۲۔ وَلَا تَنْسَ نَصِیْبَکَ مِنَ الدُّنْیَا.(۲)

''اور دنیا سے (بھی) اپنا حصہ نہ بھول۔''

اسلام میں مال اور اکتسابِ مال کو ''اللہ کا فضل تلاش کرنے'' کے مترادف کہا گیا ہے۔ قرآن مجید میں مختلف مقامات پر اس کا تذکرہ موجود ہے۔ مثلاً:

۳۔ فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللهِ وَاذْكُرُوا اللهَ كَثِیْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَO(۳)

''پھر جب نماز ادا ہو چکے تو زمین میں منتشر ہو جاؤ اور (پھر) اللہ کا فضل (یعنی رزق) تلاش کرنے لگو اور اللہ کو کثرت سے یاد کیا کرو تا کہ تم فلاح پاؤO''

۴۔ فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوْهُ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ؕ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَO(۴)

''پس تم اللہ کی بارگاہ سے رزق طلب کیا کرو اور اسی کی عبادت کیا کرو اور اسی کا

(۱) النجم، ۵۳: ۳۹

(۲) القصص، ۲۸: ۷۷

(۳) الجمعة، ۶۲: ۱۰

(۴) العنکبوت، ۲۹: ۱۷

شکر بجا لایا کرو، تم اسی کی طرف پلٹائے جاؤ گے o‘‘

۵۔ وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللهِ.(۱)

’’اور (بعض) دوسرے لوگ زمین میں سفر کریں گے تاکہ اللہ کا فضل تلاش کریں۔‘‘

۶۔ وَتَرَى الْفُلْكَ فِيْهِ مَوَاخِرَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَo(۲)

’’اور تُو اس میں کشتیوں (اور جہازوں) کو دیکھتا ہے جو (پانی کو) پھاڑتے چلے جاتے ہیں تاکہ تم (بحری تجارت کے راستوں سے) اس کا فضل تلاش کر سکو اور تاکہ تم شکرگزار ہو جاؤo‘‘

اسی طرح احادیثِ رسول اللہ ﷺ میں اکتسابِ مال کی رغبت دلائی گئی ہے، اس ضمن میں آپ ﷺ کے چند ارشادات ملاحظہ فرمایئے:

۱۔ طلب كسب الحلال فريضة بعد الفريضة.(۳)

’’رزقِ حلال کی تلاش فرض عبادت کے بعد (سب سے بڑا) فریضہ ہے۔‘‘

(۱) المزمل، ۷۳: ۲۰

(۲) فاطر، ۳۵: ۱۲

(۳) ۱۔ طبراني، المعجم الكبير، ۱۰: ۷۴، رقم: ۹۹۹۳

۲۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۶: ۱۲۸، رقم: ۱۱۶۹۵

۳۔ بيهقي، شعب الإيمان، ۶: ۴۲۰، رقم: ۸۷۴۱

۴۔ أبونعيم، حلية الأولياء و طبقات الأصفياء، ۷: ۱۲۶

۵۔ قضاعي، مسند الشهاب، ۱: ۱۰۴، رقم: ۱۲۱

۶۔ ديلمي، الفردوس بمأثور الخطاب، ۲: ۴۴۱، رقم: ۳۹۱۸

۲۔ إذا صليتم صلاة الفجر فلا تناموا عن طلب أرزاقكم.(۱)

’’جب تم صبح کی نماز ادا کرلو تو اپنے رزق کے لیے جدوجہد کیے بغیر نیند (آرام وغیرہ) کا نام نہ لو۔‘‘

۳۔ عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم: إن من الذنوب ذنوبًا لا تكفرها الصلاة ولا الصيام ولا الحج ولا العمرة، قالوا: فما يكفرها يارسول الله؟ قال: الهموم في طلب المعيشة.(۲)

’’گناہوں میں سے بعض گناہ ایسے ہیں جنہیں نہ نماز معاف کراتی ہے نہ ہی روزہ، حج اور عمرہ معاف کراتے ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! پھر انہیں کیا معاف کراتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ان کا کفارہ صرف طلب معیشت کی فکر اور کاوش ہی سے ہوسکتا ہے۔‘‘

۴۔ اطلبوا الرزق في خبايا الأرض.(۳)

’’روزی کو زمین کے پوشیدہ سرمائے میں تلاش کرو۔‘‘

۵۔ ما أكل أحد طعامًا قط خيرًا من أن يأ كل من عمل يديه.(۴)

(۱) ۱۔ هندي، كنزالعمال، ۴: ۲۱، رقم: ۹۲۹۹
۲۔ شعراني، كشف الغمة من جميع الأمة، ۲: ۳
۳۔ عجلوني، كشف الخفاء ومزيل الألباس، ۲: ۲۶، رقم: ۱۵۸۸

(۲) ۱۔ طبراني، المعجم الاوسط، ۱: ۱۰۳، رقم: ۱۰۲
۲۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۴: ۶۳، رقم: ۶۲۳۹

(۳) ۱۔ أبو يعلى، المسند، ۷: ۳۴۷، رقم: ۴۳۸۴
۲۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۴: ۶۳، رقم: ۶۲۳۷

(۴) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب البيوع، باب كسب الرجل وعمله بيده، ۲: ۷۳۰، رقم: ۱۹۶۶

''کسی شخص نے کوئی کھانا اس سے بہتر نہیں کھایا کہ وہ اپنے ہاتھوں سے کما کر کھائے۔''

۶۔ **عن رافع بن خديج رضی اللہ عنہ قال: قيل: يا رسول الله! أي الكسب أطيب؟ قال: عمل الرجل بيده وكل بيع مبرور.** [(۱)]

''رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا: یارسول اللہ! کونسی کمائی سب سے پاکیزہ ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: آدمی کا اپنے ہاتھ سے کمانا اور ہر جائز تجارت۔''

۷۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

لا تكونوا عيالاً على الناس. [(۲)]

''دوسرے لوگوں پر اپنی پرورش کا بوجھ نہ ڈالو۔''

۸۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حکم جاری کر رکھا تھا:

لا يقعدن أحدكم عن طلب الرزق. [(۳)]

...... ۲۔ طبراني، المعجم الكبير، ۲۰: ۲۶۷، رقم: ۶۳۱
۳۔ بيهقي، شعب الإيمان، ۵: ۶۴، رقم: ۵۷۹۱

(۱) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۴۱، رقم: ۱۷۲۶۵
۲۔ هندي، كنز العمال، ۴: ۱۲۴، رقم: ۹۸۶۱
۳۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۴: ۶۰، رقم: ۶۲۱۰

(۲) ۱۔بيهقي، شعب الإيمان، ۲: ۸۱، رقم: ۱۲۱۶
۲۔أبو نعيم، حلية الأولياء وطبقات الأصفياء، ۷: ۷۱
۳۔كتاني، التراتيب الإدارية، ۲: ۲۳

(۳) كتاني، التراتيب الإدراية، ۲: ۲۳

’’تم میں سے کوئی شخص بھی طلبِ رزق کی جدوجہد میں پست ہو کر نہ بیٹھ جائے۔‘‘

مندرجہ بالا محولات سے یہ بات ثابت ہے کہ اسلام فرد کو بھرپور انداز سے معاشی جدوجہد میں حصہ لینے کی تعلیم دیتا ہے۔ وہ رہبانیت، بھیک مانگنے اور دوسروں پر بوجھ بننے (To be Parasite) کی روش کو سخت ناپسند کرتا ہے۔

۴۔ اکتسابِ مال کے مقاصد

اسلام دینِ فطرت ہونے کے ناتے انسانی زندگی سے متعلق تمام واجبات دینی و دنیاوی امور کو بھرپور طریقے سے ملحوظِ خاطر رکھتا ہے اور کسبِ معاش اور اکتسابِ مال کی اہم وجوہ کی نشاندہی کرتا ہے۔ مثلاً:

۱۔ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ امانتوں میں سے جسم و جان کی حفاظت لازمی ہے، جس کے لیے خوراک، لباس اور مکان ضروری ہے، جب انسان ان جہتوں میں مطمئن ہو گا تو عبادات، جہاد، تبلیغِ دین و دیگر کارہائے خیر میں زیادہ لگن، یکسوئی، دلچسپی اور یگانگت کا مظاہرہ کر سکے گا۔ ظاہر ہے خوراک، مکان اور پوشاک کے لیے اکتسابِ مال ضروری ہے۔

۲۔ فرد پر اس کے والدین، بیوی بچوں، اقارب و دیگر افرادِ معاشرہ (مثلاً فقراء، مساکین وغیرہ) کے جو مالی فرائض ہیں انہیں پورا کرنے کے لیے مال کمانا ضروری ہے۔

۳۔ اگر وہ صاحبِ ثروت ہے اور اس کا مال نصابِ زکوٰۃ کی حد تک پہنچ جاتا ہے تو اسے زکوٰۃ ادا کرنا ہو گی۔

۴۔ اگر وہ زمیندار یا مزارع ہے تو زمینی پیداوار پر عشر کی ادائیگی اس پر فرض ہو گی۔

۵۔ ماہِ صیام کے بعد صدقہ عید الفطر ادا کیا جائے گا۔

۶۔ بعض گناہوں، خطاؤں اور غلطیوں کا مالی کفارہ ادا کرنے کے لئے کسبِ مال ضروری ہے۔

۷۔ خود یا والدین کو حج کرانا اکتسابِ مال کے بغیر ممکن نہیں۔

قرآن مجید میں ارشادِ ربانی ہے:

وَ لِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلاً. (۱)

’’اور اللہ کے لئے لوگوں پر اس گھر کا حج فرض ہے جو بھی اس تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو۔‘‘

۸۔ صاحبِ استطاعت شخص پر عید الاضحیٰ کے موقع پر جانور کی قربانی دینا لازمی ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

من کان له سعة ولم يضح فلا يقربن مصلانا. (۲)

’’جو شخص قربانی کی استطاعت رکھنے کے باوجود قربانی نہ کرے وہ ہماری عیدگاہ کے قریب نہ آئے۔‘‘

مذکورہ بالا مدات وہ ہیں جن سے عہدہ برآں ہونے کے لیے مال و زر کی ضرورت پڑتی ہے۔ اسی لیے اسلام نے مال اور اکتسابِ مال کے لیے ٹھوس وجوہات فراہم کی ہیں تاکہ دنیاوی معاملات میں بھی بھرپور حصہ لیا جا سکے۔

www.MinhajBooks.com

(۱) آل عمران، ۳: ۹۷

(۲) ۱۔ ابن ماجه، السنن، کتاب الأضاحي، باب الأضاحي واجبة هي أم لا، ۲: ۱۰۴۴، رقم: ۳۱۲۳

۲۔ دارمي، السنن، ۴: ۲۷۷، رقم: ۳۵

۵۔ اکتسابِ مال کا طریقہ کار

اکتسابِ مال کے ضمن میں اسلام نے واضح ہدایات دی ہیں جن کا خلاصہ حسبِ ذیل ہے:

اسلام جہاں مال کمانے کی اجازت دیتا ہے وہاں فرد کو شتر بے مہار کی طرح کھلا نہیں چھوڑتا کہ جس طرح چاہے اور جس ذریعہ سے مال آئے اس پر کوئی روک ٹوک نہ ہو بلکہ اس نے واضح حدود متعین کی ہیں۔ جن میں بطریقِ اولیٰ حلال و حرام مال اور اکتسابِ مال کے حلال وحرام ذرائع کی نشاندہی کی گئی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

۱۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَ اشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ○ (۱)

’’اے ایمان والو! ان پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ جو ہم نے تمہیں عطا کی ہیں اور اللہ کا شکر ادا کرو اگر تم صرف اسی کی بندگی بجا لاتے ہو○‘‘

۲۔ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ○ (۲)

’’اے لوگو! زمین کی چیزوں میں سے جو حلال اور پاکیزہ ہے کھاؤ، اور شیطان کے راستوں پر نہ چلو، بیشک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے○‘‘

۳۔ وَ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا. (۳)

’’اور جو حلال پاکیزہ رزق اللہ نے تمہیں عطا فرمایا ہے اس میں سے کھایا کرو۔‘‘

---

(۱) البقرة، ۲: ۱۷۲

(۲) البقرة، ۲: ۱۶۸

(۳) المائدة، ۵: ۸۸

۴۔ وَ يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَ يُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ. (۱)

''اور ان کے لئے پاکیزہ چیزوں کو حلال کرتے ہیں اور ان پر پلید چیزوں کو حرام کرتے ہیں۔''

مذکورہ بالا آیاتِ قرآنیہ کی روشنی میں یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ فرد کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی روزی کمانے کے لیے حلال طریقے اختیار کرے۔ اسے ہر وہ طریقۂ اکتسابِ مال اپنانا چاہیۓ جو ارشاداتِ خداوندی اور ہدایاتِ نبوی ﷺ کے مطابق ہے، حلال کسبِ مال کی طرف لے جاتا ہے اور اپنے اندر درج ذیل اثرات لیے ہوئے ہے:

(۱) اَکلِ حلال سے فرد متقی رحمدل، سخی عامل اور پاکدامن ہو جاتا ہے۔

(۲) اسے سکونِ قلب نصیب ہوتا ہے۔

(۳) عبادات میں خشوع وخضوع، یکسوئی، دلچسپی ولذت اور مزید نیک اعمال کرنے کی رغبت نصیب ہوتی ہے۔

(۴) کم کمائی میں بھی زیادہ برکت ملتی ہے۔

(۵) اکتسابِ مال کے عمل میں کسی کی حق تلفی روا نہ رکھنے سے معاشرہ امن وسکون کا گہوارہ بن جاتا ہے۔

(۶) شعبہ تجارت بڑھوتری اور ترقی کی بنا پر معاشی خوشحالی کا موجب بنتا ہے۔

(۷) اجتماعی طور پر ملک میں معاشی اور معاشرتی ترقی ہوتی ہے۔

اس کے برعکس ہر وہ طریقۂ اکتسابِ مال جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے بتائے ہوئے ضابطوں، اصولوں اور طریقوں کے خلاف ہے حرام مال کمانے کی طرف راغب کرتا ہے۔ ہر وہ شے جو ناحق طریقے سے لی جائے اور صحیح طریقہ کار کی بجائے ربوٰ،

(۱) الاعراف، ۷:۱۵۷

رشوت، جوا، ظلم، غصب، دھوکہ، خیانت اور چوری جیسے ناپاک ذرائع سے حاصل کی جائے وہ حرام ہے اس لیے کہ وہ ''طیّب'' نہیں ہے۔ پس ہر خبیث شے حرام ہے خواہ وہ خبث باہر کے اسباب و ذرائع سے اس میں آیا ہو اور خواہ اس کے اندر ہی موجود ہو جیسا کہ کھانے پینے کی چیزوں میں سڑ کر بو آنا اور امراضِ جسمانی کا سبب بننا۔

جس طرح حلال مال اپنے اندر خیر و برکت اور انسانی زندگی پر مثبت اثرات مرتب کرتا ہے اسی طرح حرام مال اپنے اندر منفی، مضر اور تباہ کن اثرات لیے ہوئے ہے۔ مثلاً:

(۱) حرام کی کمائی میں برکت نہیں ہوتی زیادہ مال بھی چٹکیوں میں اڑ جاتا ہے۔

(۲) حرام کمانے، حرام کھانے اور کھلانے سے ذہنی انتشار پیدا ہوتا ہے اور دلی سکون ختم ہو جاتا ہے۔

(۳) حرام مال سے بنے ہوئے جسم والے کی دعا قبول نہیں ہوتی۔

(۴) اولاد نافرمان ہو جاتی ہے۔

(۵) معاشی بدحالی کا دور دورہ ہونا شروع ہو جاتا ہے۔

(۶) اجتماعی طور پر پورا معاشرہ بدامنی کا شکار ہو جاتا ہے۔

(۷) اس معاشرہ پر اللہ کا عذاب نازل ہوتا ہے۔

۶۔ صرفِ مال

اکتسابِ مال اور صرفِ مال کے ضمن میں بھی اسلام بڑے واضح انداز میں مکمل راہنمائی کرتا ہے۔ اگر ایک جانب جائز و حلال ذرائع سے مال کمانے کی اجازت دیتا ہے۔ تو دوسری جانب صاحبِ مال کو اس طرح کی آزادی نہیں دیتا کہ وہ جس طرح چاہے اپنی مرضی سے مال کو خرچ کرے اس لئے کہ مال انسان کے پاس اللہ کی دی ہوئی امانت ہے

اور اس کے تصرف میں احکامِ خداوندی کی پاسداری اور حضور نبی اکرم ﷺ کی ہدایاتِ عالیہ کی پابندی کرنا لازمی ہے۔

صرفِ مال کے دو بڑے شعبے ہیں:

پہلا شعبہ

اس شعبہ کا تعلق فرد کی اپنی ذات، اہل و عیال اور ان لوگوں پر خرچ کرنے سے ہے جن کی کفالت کا ذمہ اس نے لیا ہوا ہے۔

۱۔ قرآن مجید میں اہل و عیال اور زیرِ کفالت لوگوں کے حقوق ادا کرنے کا حکم ہے۔ ان کو خوراک، لباس، مکان، صحت، تعلیم وغیرہ مہیا کرنا صاحبِ خانہ کی ذمہ داری ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ.(۱)

''اور قرابت داروں کو ان کا حق ادا کرو۔''

۲۔ ارشادِ ربانی ہے:

فَاتَّقُوا اللهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوْا وَ اَطِيْعُوْا وَ اَنْفِقُوْا خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ ط وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ○(۲)

''پس تم اللہ سے ڈرتے رہو جس قدر تم سے ہوسکے اور (اُس کے احکام) سنو اور اطاعت کرو اور (اس کی راہ میں) خرچ کرو یہ تمہارے لئے بہتر ہوگا، اور جو اپنے نفس کے بخل سے بچالیا جائے سو وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں○''

اسی طرح فرد کو تاکید کی گئی ہے کہ جو نعمتِ مال اسے کمائی کے نتیجہ میں حاصل

(۱) بنی اسرائیل، ۱۷: ۲۶

(۲) التغابن، ۶۴: ۱۶

ہوئی ہے اس کا اس کی ذات پر واضح طور پر مثبت اثر نظر آنا چاہیے یہ نہ ہو کہ مال تو وہ خوب کماتا ہو لیکن خود لاغر، بیمار اور افسردہ نظر آئے۔

۱۔ حضور نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

فإن لجسدک علیک حقًا، وإن لعینک علیک حقًا، وإن لزوجک علیک حقًا. (۱)

''تیرے جسم کا بھی تجھ پر حق ہے، تیری آنکھوں کا بھی تجھ پر حق ہے اور تیری بیوی کا بھی تجھ پر حق ہے۔''

۲۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

فإذا أتاک الله مالًا فلیر أثر نعمة الله علیک و کرامته. (۲)

''جس اللہ کریم نے تمہیں مال کی نعمت سے نوازا ہے تو اس کی نعمت اور کرامت کا اثر تم پر ظاہر ہونا چاہیے۔''

۳۔ اہل وعیال پر خرچ کرنے کی فضیلت بیان کرتے ہوئے حضور نبی اکرم ﷺ

---

(۱) ۱۔ بخاري، الصحیح، کتاب الصوم، باب حق الجسم في الصوم، ۲: ۶۹۷، رقم: ۱۸۷۴

۲۔ بخاري، الصحیح، کتاب النکاح، باب لزوجك علیك حق، ۵: ۱۹۹۵، رقم: ۴۹۰۳

۳۔ نسائي، السنن الکبری، ۲: ۱۲۸، رقم: ۲۶۹۹

۴۔ بیهقي، السنن الکبری، ۴: ۲۷۵، رقم: ۸۱۲۸

۵۔ هیثمي، مجمع الزوائد، ۴: ۳۰۲، رقم: ۷۶۱۲

(۲) ۱۔ أبو داود، السنن، کتاب اللباس، باب في غسل الثیاب والخلقان، ۴: ۵۱، رقم: ۴۰۶۳

۲۔ طبراني، المعجم الکبیر، ۱۹: ۲۸، رقم: ۶۱۷

نے فرمایا:

إذا أنفق المسلم نفقة علی أهله، وهو يحتسبها، کانت له صدقة. (۱)

’’جب کوئی مسلمان اپنے اہل و عیال پر ثواب اور ذمہ داری سمجھ کر خرچ کرتا ہے تو وہ اللہ کریم کے ہاں اس کا صدقہ لکھا جاتا ہے۔‘‘

۴۔ دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا:

ابدأ بمن تعول. (۲)

’’خرچ کرنے میں ان سے پہل کرو جن کی کفالت تمہاری ذمہ داری ہے۔‘‘

دوسرا شعبہ

دوسرے شعبہ کا تعلق فرد کی دیگر مالی ذمہ داریوں سے ہے۔

قرآن مجید اور احادیثِ نبوی ﷺ میں صراحت کے ساتھ ان کی نشاندہی کی گئی ہے۔ ان ذمہ داریوں میں زکوٰۃ، حج یا عمرہ کی ادائیگی، مستحق رشتہ داروں کی اعانت، معاشرہ کے غرباء، مساکین، محتاج، نادار اور ضرورت مندوں کی مالی مدد، ہمسایوں، مسافروں، مستحق طلباء، دینی اداروں کی امداد، صدقاتِ نافلہ، قرضِ حسنہ، عاریت، ہبہ، وراثت میں شرعی

---

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، کتاب النفقات، باب فضل النفقة علی الأهل، ۵: ۲۰۴۷، رقم: ۵۰۳۶
۲۔ دارمي، السنن، ۲: ۳۷۰، رقم: ۲۶۶۴
۳۔ بيهقي، السنن الکبری، ۴: ۱۷۸، رقم: ۷۵۴۵

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، کتاب النفقات، باب وجوب النفقة علی الأهل والعيال، ۵: ۲۰۴۸، رقم: ۵۰۴۰
۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۱۵۲، رقم: ۶۴۰۲
۳۔ طبراني، المعجم الکبير، ۳: ۲۰۳، رقم: ۳۱۲۹

حصہ دینا، رفاہ عامہ کے کام اورحسبِ استطاعت اسلامی ریاست کی مالی امداد میں حصہ لینا شامل ہیں۔

مثلاً معاشرہ میں اوّلین حق پڑوسی کا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے ضرورت مند ہمسایہ کی کفالت میں یہاں تک تاکید فرمائی کہ اگر ایک صاحبِ استطاعت مسلمان خود پیٹ بھر کر کھائے اور اس کا ہمسایہ بھوکا رہے تو وہ صحیح معنی میں مسلمان ہی نہیں۔

۱۔ فرمانِ نبوی ﷺ ہے:

ليس المؤمن الذي يشبع وجاره جائع إلى جنبه. (۱)

’’وہ شخص ہرگز مسلمان نہیں ہوسکتا جو خود تو پیٹ بھر کر کھائے مگر اس کا ہمسایہ بھوکا رہے۔‘‘

۲۔ ایک اور موقع پر ہمسایہ کی کفالت اور اس سے حسنِ سلوک کو ایک تاکیدی انداز میں یوں واضح فرمایا:

مازال جبريل يوصيني بالجار حتى ظننت أنه سيورثه. (۲)

’’جبریل امین مجھے برابر ہمسایہ کے بارے میں تلقین کرتے رہے حتیٰ کہ میں

(۱) ۱۔ بخاري، الأدب المفرد: ۵۲، رقم: ۱۱۲

۲۔ بيهقي، السنن الكبری، ۱۰: ۳، رقم: ۱۹۶۶۸

۳۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۸: ۱۶۷، رقم: ۱۳۵۵۵

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الأدب، باب الوصائة بالجار، ۵: ۲۲۳۹، رقم: ۵۶۶۹

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب البر والصلة والآداب، باب الوصية بالجار والإحسان إليه، ۴: ۲۰۲۵، رقم: ۲۶۲۴

۳۔ ترمذي، السنن، كتاب البر والصلة، باب ما جاء في حق الجوار، ۴: ۳۳۲، رقم: ۱۹۴۲

نے یہ گمان کرنا شروع کر دیا کہ وہ اسے وراثت میں حصہ دار ٹھہرا دیں گے۔‘‘

۳۔ اسی طرح ایک اور جگہ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فليكرم جاره.[1]

’’جو اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہئے کہ اپنے ہمسائے کا اکرام کرے۔‘‘

۴۔ معاشرہ کی بھلائی اور ترقی ایک صحت مند قوم کے لیے ضروری ہے۔ مشاہدہ میں آیا ہے کہ کسی بھی معاشرے کے تمام افراد امیر نہیں ہوتے بلکہ اس میں غرباء، مساکین، بے روزگار، بیوہ، محتاج و نادار وغیرہ کا وجود بھی پایا جاتا ہے۔ ایسے افراد کی مالی اعانت کے ضمن میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

الساعي على الأرملة والمسكين كالمجاهد في سبيل الله أو القائم الّيل الصائم النهار.[2]

’’بیوہ اور مسکین کی مدد کرنے والا ثواب میں اس مجاہد کی طرح ہے جو رات بھر کھڑا ہو کر اپنے رب کی عبادت کرتا ہے اور دن بھر روزہ رکھتا ہے۔‘‘

صرفِ مال کے اس شعبہ میں اجتماعی معیشت کا بیان بھی آ جاتا ہے۔ احکامِ

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الأدب، باب من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فلا يؤذ جاره، ۵: ۲۲۴۰، رقم: ۵۶۷۳

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الإيمان، باب بيان تحريم إيذاء الجار، ۱: ۶۸، رقم: ۴۷

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب النفقات، باب فضل النفقة على الأهل، ۵: ۲۰۴۷، رقم: ۵۰۳۸

۲۔ ابن ماجه، السنن، كتاب التجارات، باب الحث على المكاسب، ۲: ۷۲۴، رقم: ۲۱۴۰

خداوندی میں ارشاد ہے:

۱۔ وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّهٖ ذَوِی الْقُرْبٰی وَالْيَتٰمٰی وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِی الرِّقَابِ.[1]

''اور اللہ کی محبت میں (اپنا) مال قرابت داروں پر اور یتیموں پر اور محتاجوں پر اور مسافروں پر اور مانگنے والوں پر اور (غلاموں کی) گردنوں (کو آزاد کرانے) میں خرچ کرے۔''

۲۔ وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ.[2]

''اور قرابتداروں کو ان کا حق ادا کرو اور محتاجوں اور مسافروں کو بھی (دو)۔''

۳۔ يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ط قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰی وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ط وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ○[3]

''آپ سے پوچھتے ہیں کہ (اللہ کی راہ میں) کیا خرچ کریں، فرما دیں جس قدر بھی مال خرچ کرو (درست ہے)، مگر اس کے حقدار تمہارے ماں باپ ہیں اور قریبی رشتہ دار ہیں اور یتیم ہیں اور محتاج ہیں اور مسافر ہیں، اور جو نیکی بھی تم کرتے ہو بیشک اللہ اسے خوب جاننے والا ہے○''

بحث کا ماحاصل یہ ہے کہ شریعتِ محمدی ﷺ میں مال کے خرچ کرنے کا حکم ہے، صرفِ مال کی راہیں بھی متعین ہیں اور ان راہوں کے تحت خرچ کرنے والوں کے لیے اجر و ثواب کی بھی نشاندہی کر دی گئی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

(۱) البقرة، ۲: ۱۷۷

(۲) بنی اسرائیل، ۱۷: ۲۶

(۳) البقرة، ۲: ۲۱۵

۴۔ وَمَاجَعَلَهُ اللهُ اِلَّا بُشْرٰی وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ ج وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللهِ ط اِنَّ اللهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌo(۱)

’’اور اس (مدد کی صورت) کو اللہ نے محض بشارت بنایا (تھا) اور (یہ) اس لئے کہ اس سے تمہارے دل مطمئن ہو جائیں اور (حقیقت میں تو) اللہ کی بارگاہ سے مدد کے سوا کوئی (اور) مدد نہیں، بیشک اللہ (ہی) غالب حکمت والا ہےo‘‘

۵۔ مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِیْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ط وَ اللهُ یُضٰعِفُ لِمَنْ یَّشَآءُ ط وَ اللهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌo(۲)

’’جو لوگ اللہ کی راہ میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں ان کی مثال (اس) دانے کی سی ہے جس سے سات بالیاں اگیں (اور پھر) ہر بالی میں سو دانے ہوں (یعنی سات سو گنا اجر پاتے ہیں) اور اللہ جس کے لئے چاہتا ہے (اس سے بھی) اضافہ فرما دیتا ہے، اور اللہ بڑی وسعت والا خوب جاننے والا ہےo‘‘

۷۔ بخل اور اِسراف و تبذیر سے اِجتناب

فرد کے لیے صرفِ مال کے ضمن میں اللہ تعالیٰ نے یہ حکم فرمایا ہے کہ اتنا خرچ کرے جتنا مناسب اور ضروری ہو۔ اس سلسلہ میں بخل اور کنجوسی سے کام نہ لے اور نہ ہی اسراف و تبذیر کو اپنا شعار بنائے۔ مباحات (جائز ضروریات و امور) میں مقدار سے زیادہ خرچ کرنا بھی اسراف ہے۔

۱۔ وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰیo وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰیo فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰیo

(۱) الانفال، ۸: ۱۰

(۲) البقرة، ۲: ۲۶۱

وَ مَا يُغۡنِيۡ عَنۡهُ مَالُهٗۤ اِذَا تَرَدّٰى ؁ (۱)

’’اور جس نے بخل کیا اور (راہِ حق میں مال خرچ کرنے سے) بے پروا رہا ؁ اور اس نے (یوں) اچھائی (یعنی دینِ حق اور آخرت) کو جھٹلایا ؁ تو ہم عنقریب اسے سختی (یعنی عذاب کی طرف بڑھنے) کے لئے سہولت فراہم کر دیں گے (تاکہ وہ تیزی سے مستحقِ عذاب ٹھہرے) ؁ اور اس کا مال اس کے کسی کام نہیں آئے گا جب وہ ہلاکت (کے گڑھے) میں گرے گا ؁‘‘

اسلام ہرگز یہ پسند نہیں کرتا کہ مال کو عیش و عشرت کے کاموں میں صرف کر دیا جائے۔ خورد و نوش، رہائش، لباس، شادی بیاہ، سالگرہ و دیگر تقریبات کے مواقع پر بے بہا صِرف دکھاوے یا نام نہاد عزت حاصل کرنے کی غرض سے خرچ کرنا اسراف کے زمرہ میں آتا ہے۔ اس امر کی ممانعت کے باب میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

۲۔ يٰبَنِيۡۤ اٰدَمَ خُذُوۡا زِيۡنَتَكُمۡ عِنۡدَ كُلِّ مَسۡجِدٍ وَّ كُلُوۡا وَ اشۡرَبُوۡا وَلَا تُسۡرِفُوۡا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الۡمُسۡرِفِيۡنَ ؁ (۲)

’’اے اولادِ آدم! تم ہر نماز کے وقت اپنا لباسِ زینت (پہن) لیا کرو اور کھاؤ اور پیو اور حد سے زیادہ خرچ نہ کرو کہ بیشک وہ بے جا خرچ کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا ؁‘‘

۱۔ بخل کی ممانعت کرتے ہوئے حضور نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

خصلتان لا تجتمعان في مؤمن: البخل و سوء الخلق. (۳)

(۱) الليل، ۹۲: ۸۔ ۱۱

(۲) الاعراف، ۷: ۳۱

(۳) ۱۔ ترمذی، السنن، کتاب البر والصلة، باب ما جاء في البخيل، ۴: ۳۴۳، رقم: ۱۹۶۲

—

''دو خصلتیں مؤمن میں جمع نہیں ہو سکتیں: بخل اور بد خلقی۔''

۲۔ حضور نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

كلوا واشربوا وتصدقوا والبسوا ما لم يخالطه اسراف أو مخيلة. (۱)

''کھاؤ اور پیو اور دوسروں پر صدقہ کرو، کپڑے بنا کر پہنو بشرطیکہ اسراف اور نیت میں فخر و استکبار نہ ہو۔''

لغوی اعتبار سے تبذیر کھیتوں میں بیج کا چھینٹا لگانا، پانی کو اتنا گندا کر دینا کہ اس کا رنگ تبدیل ہو جائے وغیرہ کے معانی میں مستعمل ہے۔ شرعی لحاظ سے تبذیر سے مراد اپنے مال کو حرام اور ناجائز کاموں میں خرچ کرنا ہے، قرآن مجید میں تبذیر کی سخت وعید آئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا○ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ؕ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا○ (۲)

''اور قرابتداروں کو ان کا حق ادا کرو اور محتاجوں اور مسافروں کو بھی (دو) اور (اپنا مال) فضول خرچی سے مت اڑاؤ○ بیشک فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں، اور شیطان اپنے رب کا بڑا ہی ناشکرا ہے○''

.... ۲۔ أبو يعلى، المسند، ۲: ۴۹۰، رقم: ۱۳۲۸

۳۔ قضاعي، مسند الشهاب، ۱: ۲۱۱، رقم: ۳۱۹

(۱) ۱۔ ابن ماجه، السنن، كتاب اللباس، باب البس ما شئت ما أخطأك سرف أو مخيلة، ۲: ۱۱۹۲، رقم: ۳۶۰۵

۲۔ ابن أبي شيبة، المصنف، ۵: ۱۷۱، رقم: ۲۴۸۷۷

۳۔ منذري، الترغيب والترهيب، ۳: ۱۰۲، رقم: ۳۲۵۱

(۲) بنی اسرائیل، ۱۷: ۲۶، ۲۷

اسراف و تبذیر دونوں تھوڑے سے فرق کے ساتھ فضول خرچی کے معانی میں استعمال ہوتے ہیں۔ اسراف جائز (مباح) کاموں میں ضرورت سے زیادہ خرچ کرنے کو کہتے ہیں جبکہ تبذیر حرام کاموں میں خرچ کرنے کو کہا جاتا ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ تبذیر کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

التبذير: إنفاق المال في غير حقه.(۱)

''بے موقع خرچ کرنے کا نام تبذیر ہے۔''

امام مالک (م ۱۷۹ھ) فرماتے ہیں:

التبذير: هو أخذ المال من حقه ووضعه في غير حقه وهو الاسراف وهو حرام.(۲)

''تبذیر یہ ہے کہ انسان حق کے ساتھ کمائے مگر خلافِ حق خرچ کر ڈالے اور اس کا نام اسراف ہے اور یہ حرام ہے۔''

حرام و ناجائز کام میں ایک درہم یا روپیہ بھی خرچ کرنا تبذیر ہے۔ امام قرطبی (م ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں:

من أنفق درهمًا في حرام فهو مبذّر.(۳)

''جس نے حرام و ناجائز کام میں ایک درہم بھی خرچ کیا وہ مبذر (تبذیر کرنے والا) ہے۔''

بنی نوع انسان کو بہترین معاشی تعلیمات فراہم کرتے ہوئے اسلام نے جہاں

---

(۱) آلوسي، تفسير روح المعاني، ۱۵: ۶۳

(۲) قرطبي، الجامع لأحكام القرآن، ۱۰: ۲۴۷

(۳) قرطبي، الجامع لأحكام القرآن، ۱۰: ۲۴۸

اکتسابِ مال اورصرفِ مال کے لیے واضح ہدایات دی ہیں وہاں اسے غربت، پریشانی، پشیمانی اور ذہنی بدسکونی سے بچانے کے لیے اعتدال کی راہ دکھائی ہے۔ خصوصی طور پر صرفِ مال میں میانہ روی کی تعلیم دے کر فرد کے بہتر حال و مستقبل کی ضمانت دی ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں واضح طور پر ارشاد فرماتا ہے:

وَ لَا تَجۡعَلۡ یَدَکَ مَغۡلُوۡلَۃً اِلٰی عُنُقِکَ وَ لَا تَبۡسُطۡهَا کُلَّ الۡبَسۡطِ فَتَقۡعُدَ مَلُوۡمًا مَّحۡسُوۡرًا ○(۱)

’’اور نہ اپنا ہاتھ اپنی گردن سے باندھا ہوا رکھو (کہ کسی کو کچھ نہ دو) اور نہ ہی اسے سارا کا سارا کھول دو (کہ سب کچھ ہی دے ڈالو) کہ پھر تمہیں خود ملامت زدہ (اور) تھکا ہارا بن کر بیٹھنا پڑے ○‘‘

۸۔ اقتصاد و اعتدال کا حکم

صرفِ مال کے ضمن میں اسلام نے فرد کو آفاقی اور حقیقی ہدایات سے نوازتے ہوئے حکم دیا ہے کہ اس شعبہ میں اقتصاد و اعتدال کی راہ اپنانا عین عقل و دانش اور محفوظ معیشت کی ضامن ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ اقتصاد و اعتدال کا حکم دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَالَّذِیۡنَ اِذَاۤ اَنۡفَقُوۡا لَمۡ یُسۡرِفُوۡا وَ لَمۡ یَقۡتُرُوۡا وَ کَانَ بَیۡنَ ذٰلِکَ قَوَامًا ○(۲)

’’اور (یہ) وہ لوگ ہیں کہ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ بے جا اڑاتے ہیں اور نہ تنگی کرتے ہیں اور ان کا خرچ کرنا (زیادتی اور کمی کی) ان دو حدوں کے

(۱) بنی اسرائیل، ۱۷: ۲۹

(۲) الفرقان، ۲۵: ۶۷

درمیان اعتدال پر (مبنی) ہوتا ہے o‘‘

۱۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

الاقتصاد في النفقة نصف المعيشة. (۱)

’’خرچ میں اعتدال آدھی معیشت ہے۔‘‘

۲۔ **قال رسول الله ﷺ: من فقه الرجل رفقه في معيشته.** (۲)

’’اپنی معیشت میں توسط اختیار کرنا آدمی کے دانا ہونے کی علامت ہے۔‘‘

۳۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إن الهدى الصالح والسمت الصالح والاقتصاد جزء من خمسة وعشرين جزءًا من النبوة. (۳)

’’سیرت اور نیک طریقہ اور میانہ روی نبوت کے اجزاء کا پچیسواں حصہ ہے۔‘‘

۴۔ **ما عال من اقتصد.** (۴)

’’وہ محتاج نہ ہوا جس نے میانہ روی اختیار کی۔‘‘

---

(۱) ۱۔ طبراني، المعجم الأوسط، ۷: ۲۵، رقم: ۶۷۴۴
۲۔ بيهقي، شعب الإيمان، ۵: ۲۵۴، رقم: ۶۵۶۷

(۲) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۵: ۱۹۴، رقم: ۲۱۷۴۲
۲۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۴: ۷۴، رقم: ۶۳۰۸

(۳) ۱۔ أبو داود، السنن، كتاب الأدب، باب في الوقار، ۴: ۲۴۷، رقم: ۴۷۷۶
۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۱: ۲۹۶، رقم: ۲۶۹۸

(۴) ۱۔ طبراني، المعجم الكبير، ۱۰: ۱۰۸، رقم: ۱۰۱۱۸
۲۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۱۰: ۲۵۲

صرفِ مال میں میانہ روی بہت ہی اہم اور مثبت نتائج کی آئینہ دار ہے۔ معاشی میدان میں ہر دور کے بالغ النظر صاحبانِ علم اور خصوصی طور پر ماہرینِ معاشیات نے اس کے معتد بہ فوائد کو تسلیم کیا ہے۔ میانہ روی کے جو معاشرتی اور معاشی اثرات نمودار ہوتے ہیں ان میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ میانہ روی اختیار کرنے والا شخص کبھی بھی معاشی پریشانی کا شکار نہیں ہوتا۔

۲۔ اسراف و تبذیر یعنی میانہ روی سے انحراف، معاشرے میں ظلم و استحصال کا راستہ کھولنے میں ممد و معاون ثابت ہوتا ہے۔ یہی رقوم اگر ملکی ترقیاتی کاموں میں صرف کی جائیں تو یقیناً معیشت میں بہتری کا سبب بنیں گی۔ یہ سب اسی صورت میں ممکن ہے جب میانہ روی کو اختیار کیا جائے۔

۳۔ معاشرہ میں میانہ روی کو نہ اپنانے والے لوگ رشک، حسد، کینہ، مخاصمت اور ہوس جیسی سماجی برائیوں کی آماج گاہ بن جاتے ہیں۔ یہ برائیاں اکثر دنگا فساد، قتل اور باہمی عناد کو ہوا دیتی ہیں اس طرح پورا معاشرہ تنزل کا شکار ہو جاتا ہے۔

۴۔ میانہ روی اختیار کرنے سے بچتوں (Savings) کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔ یہی بچتیں جب سرمایہ کاری، پیداوار، تجارت وغیرہ میں استعمال ہوتی ہیں تو مجموعی طور پر ملکی معیشت مستحکم اور ترقی کی راہ پر گامزن ہو جاتی ہے۔

۹۔ مال کی پس اندازی (Saving)

اکتسابِ مال اور صرفِ مال کے ساتھ ساتھ اسلام مال کی پس اندازی (بچت کرنے) کی بھی ممانعت نہیں کرتا بلکہ حضور نبی اکرم ﷺ کی معاشی تعلیمات سے یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ فرد اپنے مال کا کچھ حصہ پس انداز کرے تا کہ ورثاء کے حق کا تحفظ، اہل و عیال کی مالی پریشانی کا تدارک اور مستقبل قریب وبعید کے ضمن میں مالی تحفظ ممکن ہو۔ اس موضوع کے تحت کتبِ احادیث میں ہمیں بہت سی احادیثِ رسول اللہ ﷺ ملتی ہیں۔ ذیل

میں ہم چند ایک کا حوالہ پیش کرتے ہیں:

۱۔ **قال كعب ابن مالك رضی اللہ عنہ: قلت: يا رسول الله! إن من توبتي أن أنخلع من مالي صدقة إلى الله وإلى رسوله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم. قال: أمسك عليك بعض مالك فهو خير لك. قلت: فإني أمسك سهمي الذي بخيبر.** (۱)

’’کعب ابن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں نے توبہ کرتے وقت یہ بھی طے کیا کہ میں اپنے (سارے) مال سے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے صدقہ کے طور پر دست بردار ہو جاؤں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے مال کا ایک حصہ اپنے پاس روک لو کیونکہ یہ تمہارے لیے بہتر ہو گا۔ میں نے کہا کہ مجھے خیبر میں جو حصہ ملا ہے اسے میں روک لیتا ہوں۔‘‘

۲۔ **عن عمر رضی اللہ عنہ أن النبي صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم كان يبيع نخل بني النضير ويحبس لأهله قوت سنتهم.** (۲)

’’حضرت عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنونضیر کے کھجور کے درختوں کے (پھل) کو فروخت کر کے اپنے گھر والوں کے لئے سال بھر کی

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الوصايا، باب إذا تصدق أو أوقف بعض ماله أو بعض رقيقه أو دوابه فهو جائز، ۳: ۱۰۱۳، رقم: ۲۶۰۶
۲۔ أبو داود، السنن، كتاب الإيمان والنذور، باب فيمن نذر أن يتصدق بماله، ۳: ۲۴۰، رقم: ۳۳۱۷

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب النفقات، باب حبس نفقة الرجل قوت سنة على أهله وكيف نفقات العيال، ۵: ۲۰۴۸، رقم: ۵۰۴۲
۲۔ بزار، المسند، ۱: ۳۷۸، رقم: ۲۵۵
۳۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۷: ۴۶۸

خوراک محفوظ کر لیتے تھے۔‘‘

۳۔ عن جابر رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم: أمسكوا عليكم أموالكم ولا تفسدوها فإنه من أعمر عمرى فهي للذي أعمرها حيًا وميتاً ولعقبه.(۱)

’’حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اپنے مال اپنے پاس رکھو، ان کو برباد نہ کرو۔ آگاہ کہ جس نے ’’تا مدت عمر‘‘ عطا کیا وہ چیز اس شخص کی ملکیت ہوگئی جسے وہ اس طور پر دی گئی ہے زمین میں بھی اور مرنے پر بھی اور اس شخص کے بعد وہ اس کے ورثاء کا حق ہو جائے گی۔‘‘

۴۔ عن سعد بن أبي وقاص رضی الله عنه قال: جاء النبي صلی الله علیه وآله وسلم يعودني وأنا بمكة وهو يكره أن يموت بالأرض التي هاجر منها. قال: يرحم الله ابن عفراء. قلت: يا رسول الله! أوصي بمالي كله؟ قال: لا. قلت: فالشطر؟ قال: لا، قلت: الثلث. قال: فالثلث والثلث كثير إنک أن تدع ورثتک أغنياء خير من أن تدعهم عالة يتكففون الناس في أيديهم.(۲)

’’حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ حضور نبی

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الهبات، باب العمرى، ۳: ۱۲۴۶، رقم: ۱۶۲۵

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۳۸۵، رقم: ۱۵۱۷۵

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الوصايا، باب أن يترك ورثه أغنياء خير من أن يتكففوا الناس، ۳: ۱۰۰۶، رقم: ۲۵۹۱

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الوصية، باب الوصية بالثلث، ۳: ۱۲۵۳، رقم: ۱۶۲۸

www.MinhajBooks.com

اکرم ﷺ میری عیادت کے لئے تشریف لائے۔ انہیں (سعد بن وقاص) کو یہ بات ناپسند تھی کہ وہ اس جگہ وفات پائیں جہاں سے انہوں نے ہجرت کی تھی، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ ابن عفراء پر رحم فرمائے۔ میں نے عرض کیا: میں اپنے سارے مال کے سلسلہ میں وصیت کر جاؤں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں۔ میں نے عرض کیا کہ پھر نصف مال کی حد تک؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں۔ میں نے عرض کیا کہ پھر ایک تہائی مال کی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: (ہاں) ایک تہائی مال کی حد تک اور ایک تہائی بھی بہت ہے۔ تو اپنے ورثاء کو مال دار چھوڑ جائے یہ بات اس سے بہتر ہے کہ انہیں محتاج چھوڑے کہ وہ لوگوں سے مانگتے پھریں۔“

مذکورہ بالا احادیث مبارکہ سے یہ بات ثابت اور نکھر کر واضح ہو جاتی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنی پیغمبرانہ صلاحیتوں، انسانی زندگی کی قریب ترین حقیقتوں اور عملی طور پر معاشی تعلیمات میں ایک فرد کو مال کی پس اندازی کی اجازت مرحمت فرمائی ہے لیکن مال کی یہ پس اندازی کسی بھی صورت میں تعیش، ارتکازِ دولت یا اکتنازِ مال کی مصداق نہ بنے بلکہ فرد کی دینی، اخلاقی اور دنیاوی ذمہ داریوں سے عہدہ برا ہونے کی آئینہ دار ہو۔

حضور نبی اکرم ﷺ کے رفقاء صحابہ کرام ﷡ کا عمل بھی اس امر کی تائید کرتا ہے۔ صحابہ کرام ﷡ نے مال کو نیک کاموں پر خرچ کیا اور فاضل مال کو پس انداز بھی کیا۔ اس کی واضح مثال حضرت عثمان ﷛ ہیں، جنہیں اللہ نے بہت مال عطا فرمایا تھا۔ آپ ﷛ نے اپنے مال میں سے بے شمار مواقع پر حاجت مندوں، غرباء، مساکین وغیرہ کی مدد کی۔ جہاد کے مواقع ہوں یا غیر معمولی حالات کا سامنا آپ ﷛ نے دل کھول کر مالی امداد فرمائی اور اس حد تک گئے کہ آج کے دور میں کوئی اس کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔ اس کے علاوہ آپ نے اپنی وفات پر بہت سا مال چھوڑا تھا جو بغیر جمع کئے ممکن نہ ہوسکتا تھا۔

ابنِ کثیر (۷۰۱۔۷۷۴ھ) حضرت عثمان غنی ﷛ کے بارے میں لکھتے ہیں:

كان لعثمان عند خازنه يوم قتل، ثلاثون ألف ألف درهم وخمسمائة ألف درهم، ومائة ألف دينار، فانتهبت وذهبت، وترك ألف بعير بالربذة، وترك صدقات. (۱)

’’جس روز حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ قتل ہوئے اس روز آپ رضی اللہ عنہ کے خزانچی کے پاس آپ رضی اللہ عنہ کے تیس کروڑ پانچ لاکھ درہم اور ایک لاکھ دینار تھے جو لوٹ لئے گئے اور ضائع ہو گئے نیز آپ رضی اللہ عنہ نے زبدہ میں ایک ہزار اونٹ چھوڑے اور صدقات بھی چھوڑے۔‘‘

اسی طرح حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے بارے میں وہ لکھتے ہیں:

ترك ألف بعير ومائة فرس وثلاثة آلاف شاة ترعى بالبقيع. (۲)

’’آپ نے ایک ہزار اونٹ، ایک سو گھوڑے اور تین ہزار بقیع میں چرتی ہوئی بکریاں چھوڑیں۔‘‘

اسی طرح حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں روایات ملتی ہیں کہ انہوں نے اپنی وفات پر بہت سا مال چھوڑا تھا۔

۱۰۔ مال ذریعہ ہے منزل نہیں

مال کو انسانی زندگی میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اس طرح یہ نیکی اور بھلائی کے وسائل میں سے ایک وسیلہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ لیکن اگر یہی مال اسلامی معاشی تعلیمات سے انحراف کرتے ہوئے حاصل کیا جائے تو شر بن جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ نیکی اور بھلائی کے ساتھ حاصل کیا ہوا مال اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ دنیا

(۱) ابنِ کثیر، البداية والنهاية، ۵: ۲۸۲

(۲) ابن کثیر، البداية والنهاية، ۵: ۲۴۸

میں عزت و احترام کا حصول ہوتا ہے، اخروی نجات کے ساتھ ساتھ معاشرتی اور معاشی خوشحالی کے حصول کو ممکن بناتا ہے جبکہ اس کے برعکس غیر اسلامی طریقوں سے کمایا ہوا مال بدی، اللہ تعالیٰ کی ناراضگی، آخرت میں عذاب، دنیاوی ابتلاء، اختلاف، باہمی عناد اور جنگ و قتال کا باعث بنتا ہے۔

مذکورہ بالا حقیقت سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ''مال ایک ذریعہ ہے'' اسے انسانی زندگی کا مقصد یا منزل نہیں سمجھنا چاہیے۔

۱۔ قرآن مجید کے مطالعہ سے عیاں ہے کہ مال کو فضلِ الٰہی کہہ کر اس کی عزت افزائی کی گئی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ.[۱]

''پھر جب نماز ادا ہو چکے تو زمین میں منتشر ہو جاؤ اور (پھر) اللہ کا فضل (یعنی رزق) تلاش کرنے لگو۔''

۲۔ اسی طرح فرمانِ رب العزت ہے:

وَتَرَى الْفُلْكَ فِيْهِ مَوَاخِرَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ٥[۲]

''اور تُو اس میں کشتیوں (اور جہازوں) کو دیکھتا ہے جو (پانی کو) پھاڑتے چلے جاتے ہیں تاکہ تم (بحری تجارت کے راستوں سے) اس کا فضل تلاش کر سکو اور تاکہ تم شکر گزار ہو جاؤ٥''

۳۔ کچھ اور مقامات پر قرآن مجید نے مال سے مراد خیر و بھلائی، راستہ اور ذریعہ لیا ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَاۨ ۚ الْوَصِيَّةُ

(۱) الجمعة، ۶۲: ۱۰

(۲) فاطر، ۳۵: ۱۲

لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ج حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَo (۱)

''تم پر فرض کیا جاتا ہے کہ جب تم میں سے کسی کی موت قریب آ پہنچے اگر اس نے کچھ مال چھوڑا ہو، تو (اپنے) والدین اور قریبی رشتہ داروں کے حق میں بھلے طریقے سے وصیت کرے، یہ پرہیزگاروں پر لازم ہےo''

۴۔ رَبِّ اِنِّیْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌo (۲)

''اے رب! میں ہر اس بھلائی کا جو تو میری طرف اتارے محتاج ہوںo''

حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

نعم المال الصالح للمرء الصالح. (۳)

''کتنا ہی اچھا مال ہے جو کسی نیک انسان کے پاس ہو۔''

۱۱۔ ضیاعِ مال کی ممانعت

مال کی قدر و منزلت بتا کر اسلام نے مال کو ضائع کرنے کی ممانعت بھی کی ہے۔ اسلامی تصورِ ملکیتِ مال اس امر کا تقاضا کرتا ہے کہ فرد کو اپنی ملکیت کو ضائع کرنے کا اختیار نہ دیا جائے کیونکہ ملکیت تو مالکِ حقیقی اللہ رب العزت کی ہے اور وہ فرد کے پاس اس کا فضل، خیر اور امانت ہے۔ لہٰذا امین کو امانت کے ضائع کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں، انسان کو حقِ ملکیت دینے کا مدعا یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ مال کو اپنے مالک (اللہ رب العزت) کے منشاء اور ہدایت کے مطابق خوشنودی کے حصول کا ذریعہ بنائے۔ قرآن

www.MinhajBooks.com

(۱) البقرة، ۲: ۱۸۰

(۲) القصص، ۲۸: ۲۴

(۳) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۹۷، رقم: ۱۷۷۶۳

۲۔ بخاري، الأدب المفرد: ۱۱۲، رقم: ۲۹۹

مجید نے اضاعتِ مال کو فساد سے تعبیر کیا ہے اور فساد اور فساد کرنا اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ اِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الۡاَرۡضِ لِيُفۡسِدَ فِيۡهَا وَ يُهۡلِکَ الۡحَرۡثَ وَالنَّسۡلَ ؕ وَ اللّٰهُ لَا يُحِبُّ الۡفَسَادَ ۝ [1]

”اور جب وہ (آپ سے) پھر جاتا ہے تو زمین میں (ہر ممکن) بھاگ دوڑ کرتا ہے تاکہ اس میں فساد انگیزی کرے اور کھیتیاں اور جانیں تباہ کر دے، اور اللہ فساد کو پسند نہیں فرماتا ۝“

رسول اللہ ﷺ کے ارشادات کے مطابق مال کو ضائع کرنا ممنوع ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

۱۔ إن الله كره لكم ثلاثا: قيل وقال، وإضاعة المال، وكثرة السؤال. [2]

”بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے تین چیزوں کو نا پسند فرمایا ہے: قیل و قال کرنا، مال ضائع کرنا اور کثرت سے سوال کرنا۔“

۲۔ دوسرے مقام پر ہے:

كان ينهى عن قيل وقال، وكثرة السؤال وإضاعة المال ومنع وهات، وعقوق الأمهات ووأد البنات. [3]

---

(۱) البقرة، ۲: ۲۰۵

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الزكاة، باب قول الله تعالى لايسألون الناس إلحافا، ۲: ۵۳۷، رقم: ۱۴۰۷

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الأقضية، باب النهي عن كثرة المسائل الحاجة، ۳: ۱۳۴۱، رقم: ۵۹۳

(۳) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الرقاق، باب ما يكره من قيل وقال، ۵: ۲۳۷۵، رقم: ۶۱۰۸

’’آپ ﷺ قیل و قال کرنے، بہت زیادہ سوالات کرنے، مال کو ضائع کرنے، خود نہ دینے اور دوسروں سے مانگنے، مال کی نافرمانی کرنے اور بچیوں کو زندہ دفن کرنے سے منع فرمایا کرتے تھے۔‘‘

اس کی تشریح کرتے ہوئے امام نووی (۶۳۱۔۶۷۷ھ) فرماتے ہیں:

إضاعة المال فهو صرفه في غير وجوهه الشرعية وتعريضه للتلف وسبب النهي إنه افساد والله لا يحب المفسدين و لأنه إذا أضاع ماله تعرض لما في أيدي الناس. (۱)

’’اضاعتِ مال سے مراد مال کو غیر شرعی طور پر صرف کرنا اور تلف بے جا کے حوالے کرنا ہے۔ ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ یہ (معاشرہ میں) بگاڑ پیدا کرنے کے مترادف ہے اور اللہ فساد پیدا کرنے والوں کو ناپسند کرتا ہے۔ مزید برآں یہ کہ جب کوئی شخص اپنا مال ضائع کر دے گا تو کسی دوسرے کے مال پر قبضہ کرنے کی فکر میں لگ جائے گا۔‘‘

اس تشریح سے یہ بات واضح ہوگئی کہ قرآن مجید میں فساد کی جو ممانعت آئی ہے اس میں تلفِ مال کی ممانعت خود بخود شامل ہے کیونکہ تلفِ مال فساد پیدا کرنے کا موجب ہے۔

خلاصۂ بحث

متذکرہ بالا تمام تر بحث سے درج ذیل نتائج مستنبط ہوتے ہیں:

۱۔ انسان کو پاکیزہ اور حلال مال کمانے کی تلقین و ترغیب دی گئی ہے تاکہ وہ معاشی

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الأقضية، باب النهي عن كثرة المسائل الحاجة، ۳: ۱۳۴۱، رقم: ۵۹۳

(۱) نووي، شرح صحيح مسلم، ۱۲: ۱۰

میدان میں اپنی تکمیلِ ضروریات میں شرمندہ نہ ہو۔

۲۔ کمائے ہوئے مال کو روز مرہ کی جائز ضروریات پر خرچ کرنا چاہیے۔

۳۔ بخل اور اسراف و تبذیر سے اجتناب معاشی اور معاشرتی کامیابی کی منزل سے ہمکنار کرتا ہے۔

۴۔ مال کا کچھ حصہ بچا لیا جائے تو کوئی حرج نہیں۔

۵۔ مال کو ضائع کرنا معاشی بدحالی، معاشرتی شرمندگی، اور دیگر نفسیاتی پریشانیوں کا باعث ہوتا ہے۔

۶۔ مال زندگی کی آسائشیں اور ضرورتیں پورا کرنے کے لئے ہوتا ہے نہ کہ اسے زندگی کا نصب العین یا منزل قرار دیا جائے بلکہ اسے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور آخرت میں کامیابی کے حصول کا ذریعہ بنانا چاہیے۔

www.MinhajBooks.com

بابِ دُوُم

لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ

(البقرۃ، ۲:۲۸۴)

اِسلام کا تصوّرِ ملکیت

www.MinhajBooks.com

معاشی مسئلہ

انسانی تہذیب و تمدن کے ارتقاء میں جہاں سیاسی، سماجی اور عمرانی عوامل کارفرما رہے ہیں جو مختلف ادوار اور مختلف مراحل میں اجتماعی اور انفرادی سطح پر معاشرے پر اثر انداز ہوتے رہے ہیں وہاں معاشی عنصر بھی اپنے جلو میں ایک دنیا لئے تاریخ انسانی کے نئے ابواب رقم کرتا رہا ہے اور اکثر و بیشتر تاریخی ہی نہیں جغرافیائی تبدیلیوں کا بھی باعث بنتا رہا ہے۔ اس لئے کہ معاشی مسئلہ غار اور پتھر کے زمانے میں انسانی معاشرے کی داغ بیل پڑنے سے بھی پہلے موجود تھا اور آج بھی بے پناہ مادی ترقی اور سائنسی فتوحات کے پس منظر میں یہ مسئلہ قوموں کے عروج و زوال میں بنیادی مسئلے کے طور پر تسلیم کیا جاتا ہے۔ ماہرین عمرانیات اور علمائے سیاسیات کے نزدیک اقتصادی بالا دستی ہی سیاسی بالا دستی کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہے۔ بین الاقوامی روابط اور سفارتی تعلقات کے حوالے سے ہونے والی تبدیلیوں میں یہ سیاسی بالا دستی اہم کردار ادا کرتی ہے حتیٰ کہ فرد کی نفسیاتی الجھنوں اور ذہنی پیچیدگیوں کو حل کرتے وقت بھی اقتصادی پہلو کو سرفہرست رکھا جاتا ہے۔

وسائلِ قدرت پر چند ہاتھوں کی اجارہ داری سے طبقاتی کشمکش کو ہوا ملی اور انسان کے عمرانی نظریات میں بغاوت کا عنصر نشو و نما پا کر لاوے کی صورت پھیل کر منفی اور مثبت ہر قسم کی تبدیلیوں کا باعث بنتا رہا ہے۔ نوآبادیاتی نظام نے محکوم اور مغلوب قوموں کے گرد سیاسی غلامی کے ساتھ اقتصادی غلامی کا جال بھی بنا۔ چنانچہ بیسویں صدی کی آخری دہائی میں اکثر خطوں میں سیاسی غلامی کی زنجیریں ٹوٹنے کے باوجود اقتصادی غلامی کی زنجیریں جوں کی توں موجود ہیں بلکہ ان کا حلقہ مزید تنگ ہو رہا ہے۔ اقتصادی غلامی کی ان زنجیروں کو تیسری دنیا کے غریب ممالک کا مقدر بنا دیا گیا ہے۔ اقتصادی خوشحالی کے نام پر کمیونزم

نے معاشروں کی از سر نو تشکیل کی اور انسان کو حیوان کے درجے پر لا کھڑا کیا لیکن وسائل قدرت پر مکمل ریاستی کنٹرول کے باوجود یہ مصنوعی معاشرہ اندر سے کھوکھلا ہوتا چلا گیا اور انجام کار آہنی پردہ ریت کی دیوار ثابت ہوا۔

اسلام کی آفاقی تعلیمات میں معاشی مسئلہ کو خصوصی اہمیت دی گئی ہے اور اسلامی معاشرے میں معیشت کو ترجیحی بنیادوں پر استوار کیا گیا ہے۔ اسلام استحصال کی ہر شکل کا مخالف ہے اور تاریخ گواہ ہے کہ فرد کا استحصال زیادہ تر اس کی معاشی ضروریات کی آڑ ہی میں ہوتا رہا ہے۔ سود کی لعنت نے فرد کے معاشی استحصال کو جنم دیا اور اس کی سوچ سے لے کر اس کی نسلوں کے مستقبل تک کو گروی رکھ دیا گیا۔ اعتدال اور توازن اسلامی معاشرے کا حسن ہے اور یہ حسن اسلام کے تصورِ معیشت میں بھی اپنی جملہ رعنائیوں کے ساتھ جلوہ گر ہے۔ اسلام کا تصورِ معیشت انسانی فطرت کے عین مطابق ہے۔ اقتدارِ اعلیٰ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اور انسان زمین پر اس کا خلیفہ ہے۔ اسلام میں ہر سطح پر جوابدہی کے احساس کو زندہ و تابندہ رکھا گیا ہے اور امانت کے تصور کو عملی جامہ پہنایا گیا ہے کہ ہر چیز کا مالک اللہ ہے، انسان کو ان اشیا پر محض حقِ تصرف حاصل ہے اور وہ بھی محدود مدت کے لئے۔ اسلام کے نظامِ معیشت میں استحصال کی ہر شکل کے خاتمے کے لئے عملی اقدامات کئے گئے ہیں اور ایک فلاحی ریاست کے تمام بنیادی لوازمات کا اہتمام کیا گیا ہے۔

معاش کا مسئلہ ازل سے انسان کی قطعی بنیادی ضروریات میں سے ایک ہے جس کی تکمیل اسلام کے جامع نظام میں ایک فریضۂ شرعی کا حکم رکھتی ہے۔ بنابریں اسے انفرادی، اجتماعی اور قومی سطح پر کہیں بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا اس لئے کہ نہ صرف انسانی زندگی کی بقا اور استحکام کا ضامن مسئلہ معاش ہے بلکہ انسانی اخلاق کے باب میں نیکی اور بدی اور اجتماعی معاشرتی ماحول کے باب میں دوستی اور دشمنی، سب کچھ بالواسطہ یا بلا واسطہ اسی سے متعلق ہے۔

الغرض انسانی معاشرہ اپنی تمام تر جہتوں اور سمتوں خواہ مذہبی و اخلاقی ہوں یا سیاسی و سماجی، تہذیبی و ثقافتی ہوں یا تعلیمی و قانونی، کسی نہ کسی طور مسئلہ معاش سے ہی عبارت ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے اس کی ہمہ گیر اہمیت اور ناگزیریت کا انکار عقلاً ممکن ہے نہ شرعاً۔

معاشی مسئلہ کی سہ جہتی اہمیت

اسلامی نقطۂ نظر سے معاشی مسئلہ سہ جہتی اہمیت (Three-Fold Significance) کا حامل ہے:

۱۔ وجوبی و بقائی اہمیت (Survivancial & Existential Significance)

۲۔ مذہبی و اخلاقی اہمیت (Religious & Moral Significance)

۳۔ سماجی و ماحولیاتی اہمیت (Social & Enviornmental Significance)

الغرض انسانی زندگی کی کوئی بھی جہت معاشی مسئلے سے لاتعلق اور بیگانہ نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی بھی نظامِ حیات اس مسئلے کو حل کئے بغیر نہ تو مقبول ہوسکتا ہے اور نہ ہی کسی معاشرے میں متداول ہوسکتا ہے۔ بنا بریں قرآن وسنت میں جس قدر بھرپور توجہ اس مسئلے کے حل کی طرف مرتکز کی گئی ہے شائد ہی کوئی اور موضوع اتنی مرکزیت اور اہمیت حاصل کر سکا ہو مگر جب سے اشتراکی فلسفہ (Socialistic Philosophy) کے علمبرداروں نے معاشی مسئلہ کی اہمیت کو پورے شد و مد کے ساتھ ابھارا ہے، یہاں تک کہ انہوں نے اپنے انقلاب کی بنیاد ابتدا تا انتہاء اسی مسئلہ کو قرار دیا ہے تب سے شاید ردِعمل کے طور پر مسلم علماء و زعماء نے بالعموم اپنی علمی، فکری، عملی اور نظریاتی توجہ کا ارتکاز اس سمت سے ہٹا لیا یا کم کر لیا ہے جس کے نتیجے میں عصرِ رواں کی معاشی اور اقتصادی الجھنیں اور ناہمواریاں ہماری نسلِ نو کو پریشاں فکری میں مبتلا کر رہی ہیں۔ سوشلزم، کمیونزم اور دیگر مغربی باطل فلسفوں کے دلفریب نعرے اس نسل کو اپنی طرف ملتفت اور دینِ اسلام کی اعلیٰ

وارفع تعلیمات سے برگشتہ کر رہے ہیں۔ مگر عصرِ حاضر کے تقاضوں سے بے خبر مذہبی ذہن ملت کی اس اہم ترین علمی، فکری اور عملی ضرورت کی طرف کاملاً متوجہ نہیں ہو رہا بلکہ نوبت یہاں تک آ پہنچی ہے کہ معاشی مسئلے پر زور دینے والا شخص مذہبی اجارہ داروں کی نظر میں اشتراکی فکر کا حامل یا دنیا دار گردانا جاتا ہے اور اس سے صرفِ نظر کرنے والا دینِ اسلام کا داعی متصور ہوتا ہے۔

ہمیں یہ بات قطعی طور پر سمجھ لینی چاہئے کہ ہم انفرادی اور اجتماعی سطح پر معیشت اور اقتصاد کے مسئلے کو معاشرتی تناظر میں سمجھے اور اسے صحیح طور پر حل کئے بغیر معاشرے کی دینی، اخلاقی، ایمانی اور روحانی قدروں کو پامال ہونے سے نہیں بچا سکتے۔ یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ اسلامی انقلاب کا خواب ٹھوس معاشی انقلاب کے بغیر شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا۔ اس لئے ضرورت اس امر کی ہے کہ علمائے اسلام وقت کے تقاضوں کو سمجھیں اور اس انتہائی ناگزیر ضرورت کی تکمیل کے لئے اپنی علمی اور عملی صلاحیتیں وقف کر دیں تاکہ موجودہ نسل کے فکری اضطراب اور اعتقادی اضمحلال کا تدارک کیا جا سکے اور معاشرے میں اسلامی انقلاب کے لئے صحیح سمت اور مبنی بر حقیقت ترجیحات کا تعین کیا جا سکے۔

تصورِ ملکیت

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ دنیا کا ہر نظامِ معیشت دراصل ''تصورِ ملکیت (Concept of Ownership)'' ہی پر قائم ہے۔ تصورِ ملکیت سے اس کے اساسی اصول اور تفصیلات و جزئیات متعین ہوتی ہیں اور اسی سے اس کے نفاذ کی اثر انگیزی اور نتیجہ خیزی متحقق ہوتی ہے۔ لہٰذا تصورِ ملکیت کسی بھی نظامِ معیشت کی تشکیل میں سنگ بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس وقت اقوامِ عالم میں بالعموم سرمایہ دارانہ اور اشتراکی، دو نظام ہائے معیشت رائج اور مقبول ہیں، جنہیں "Capitalistic System of Economy and Socialistic System of Economy" کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اگر ان

دونوں نظاموں میں کارفرما ''تصورِ ملکیت'' کی اصل ہیئت اور فلسفے پر غور کیا جائے تو وہ ایک ہی ہے۔ فرق صرف حدود کے تعین کا ہے۔ پہلے میں ملکیت کی انفرادی حدود میں وسعت کی ضمانت فراہم کرنے کی کوشش کی گئی ہے جبکہ دوسرے میں اجتماعی حدود کی۔ جہاں تک ملکیت کے معنی و مفہوم، اس سے جنم لینے والے حقوق و واجبات اور اس کے قانونی اثرات و لوازمات کا تعلق ہے، وہ یکساں ہیں۔ ان پہلوؤں پر عمیق غور وخوض کے بعد انسان بلا شک وشبہ اس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے کہ یہ ''تصورِ ملکیت'' اپنے مزاج اور خصائص کے اعتبار سے خودغرضانہ اور مفاد پرستانہ رجحانات کا حامل ہے۔

اس تصورِ ملکیت سے جو بھی نظامِ معیشت تشکیل پائے گا اس کی خاصیت مطالبہ حقوق (Demand of Rights) ہو گی، جس کا لازمی نتیجہ انفرادی اور اجتماعی حقوق کے درمیان تصادم ہے۔ اس سے طبقاتی بغاوت اور منافرت میں بھی اضافہ ہوگا اور ملکی پیداوار بھی بہرصورت متاثر ہوگی۔ حقوق اور مفادات کے اس تصادم کو آج تک دونوں نظام ہائے معیشت میں سے کوئی بھی صحیح طور پر رفع نہیں کر سکا۔ حقیقت یہ ہے کہ خود غرضانہ ''تصورِ ملکیت'' کے تحت فروغ پانے والے کسی بھی نظامِ معیشت میں اس رجحان کو ختم نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اصل خرابی اسی تصور سے نمو پا رہی ہے جو پورے نظام کی بنیاد ہے۔ لہٰذا اس کے ہوتے ہوئے اصلاح کی کوئی بھی تدبیر کارگر ثابت نہیں ہوسکتی۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے بحیثیت نظامِ معیشت دہندہ بنی نوع انسان کو اقتصادو معیشت کے وہ عظیم انقلابی تصورات اور عملی اصول وضوابط عطا فرمائے جس سے بہتر کوئی تصور، فکر یا فلسفہ معرض وجود میں نہیں آ سکتا۔ جس طرح آپ ﷺ کی ذات ستودہ صفات حتمی و ختمی مرتبت ہے اسی طرح آپ ﷺ کے عطا کردہ نظامِ فکر وعمل کا ہر پہلو بھی نقطہ تمامیت اور رتبہ خاتمیت کا حامل ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے تعلیمات کو قرآن و سنت کے روپ میں جس نقطہ کمال تک پہنچا دیا ہے، انسانی فکر و دانش ارتقاء کی تمام منزلوں کو عبور کر کے بھی اس سے آگے نہیں بڑھ سکتی۔ اقبال اس منزلِ آخریں کی نشاندہی ان

الفاظ میں کرتا ہے:

خلق و تقدیر و ہدایت ابتدا ست
رحمة للعالمینی انتہا ست(۱)

ان اعلیٰ تصورات میں سے ایک بنیادی تصور، تصورِ ملکیت (Concept of Owner ship) ہے۔ اس کا معنی و مفہوم ایک ایسے نئے انقلابی اسلوب میں متعین کیا گیا کہ جس سے نظامِ معیشت کے مجموعی مزاج اور خصائص میں بڑی بنیادی اور ٹھوس تبدیلی واقع ہوگئی۔ اس تصورِ ملکیت نے اسلام کے نظامِ معیشت کو ان تمام خود غرضانہ اور مفاد پرستانہ رجحانات سے پاک کر دیا، جو اقتصادی اور معاشرتی زندگی کو تباہ کن نتائج سے دوچار کر رہے تھے۔

ا۔ ملکیت کی لغوی تحقیق

''ملکیت'' عربی اور اردو زبان میں عام مستعمل ہے اس کا مادہ ''ملک'' ہے جس کے معنی بیان کرتے ہوئے علی بن محمد جرجانی (۷۴۰۔۸۱۶ھ) اپنی کتاب ''التعریفات (ص: ۲۸۴)'' میں لکھتے ہیں:

الملک: حالة تعرض للشيء بسبب ما یحیط به.

''ایسی حالت جو کسی چیز کو ایسے سبب کے ذریعے پیش آئے جو اس کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔''

فقہاء کے نزدیک:

الملک: إتصال شرعي بین الإنسان وبین شيء یکون مطلقاً لتصرفه فیه وحاجزاً عن تصرف غیره فیه.(۲)

(۱) اقبال، کلیات (جاوید نامہ): ۶۰۰

(۲) جرجاني، التعریفات: ۲۸۴

’’الملک ایک شرعی اتصال ہے جو کسی انسان اور ایسی چیز کے درمیان ہو جس میں وہ (انسان) تو تصرف کر سکے لیکن کوئی اور دوسرا اس میں تصرف نہ کر سکے۔‘‘

۲۔ مفہومِ ملکیت

کسی چیز کی ملکیت (Ownership) درحقیقت اس چیز میں کسی شخص کے درج ذیل دو حقوق پیدا ہونے سے عبارت ہوتی ہے:

۱۔ حقِ قبضہ (Right of Possession)

۲۔ حقِ تصرف (Right of Disposition)

اسی طرح جس شخص کو کسی چیز پر مذکورہ بالا حقوق حاصل ہو جائیں تو اسے چیز کا مالک (Owner) اور اس چیز کو اس کی ملکیت (Property) تصور کیا جائے گا۔ مذکورہ حقوق کے ساتھ ساتھ اس شخص کو اپنی ملک اشیاء کے استعمال، تحفظ، مزید نفع کمانے کے لئے کاروبار میں لگانے اور انتقالِ ملکیت کے حقوق بھی حاصل ہو جاتے ہیں۔

۳۔ ملکیت کی تعریف

مذکورہ بالا بحث کے تحت ملکیت کی تعریف یوں کی جا سکتی ہے:

’’جب کسی شخص کو کسی مال/ شے پر اپنا قبضہ قائم رکھنے اور حسبِ منشاء تصرف کرنے کا حق حاصل ہو جائے تو اس حق کو ’’ملکیت‘‘ کہتے ہیں۔‘‘

۴۔ مالک اور ملکیت میں افادیت کا پہلو

اللہ تعالیٰ نے زمین میں جس چیز کو بھی بقا عطا کی ہے اور اسے محلِ ملکیت (یعنی ملکیت میں آنے کے قابل) بنایا ہے اس کے اندر بنی نوع انسان کے لئے یقیناً کوئی نہ کوئی نفع بخشی، سود مندی اور افادیت (Usufruct) مضمر ہوتی ہے۔

یہ تصور قرآن حکیم کی درج ذیل آیات سے ماخوذ ہے:

۱۔ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا.(۱)

''وہی ہے جس نے سب کچھ جو زمین میں ہے تمہارے لئے پیدا کیا۔''

۲۔ وَ لَقَدْ مَکَّنّٰکُمْ فِی الْاَرْضِ وَ جَعَلْنَا لَکُمْ فِیْهَا مَعَایِشَ ط قَلِیْلاً مَّا تَشْکُرُوْنَ o(۲)

''اور بیشک ہم نے تم کو زمین میں تمکّن و تصرّف عطا کیا اور ہم نے اس میں تمہارے لئے اسبابِ معیشت پیدا کئے، تم بہت ہی کم شکر بجا لاتے ہوo''

۳۔ اَفَمَنْ یَّعْلَمُ اَنَّمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ الْحَقُّ کَمَنْ هُوَ اَعْمٰی ط اِنَّمَا یَتَذَکَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ o(۳)

''بھلا وہ شخص جو یہ جانتا ہے کہ جو کچھ آپ کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے حق ہے، اس شخص کے مانند ہوسکتا ہے جو اندھا ہے، بات یہی ہے کہ نصیحت عقلمند ہی قبول کرتے ہیںo''

۴۔ وَ اٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ط فَاِنْ طِبْنَ لَکُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَکُلُوْهُ هَنِیْئًا مَّرِیْئًا o(۴)

''اور عورتوں کو ان کے مَہر خوش دلی سے ادا کیا کرو، پھر اگر وہ اس (مَہر) میں سے کچھ تمہارے لئے اپنی خوشی سے چھوڑ دیں تو تب اسے (اپنے لئے) سازگار اور خوشگوار سمجھ کر کھاؤo''

(۱) البقرة، ۲: ۲۹

(۲) الاعراف، ۷: ۱۰

(۳) الرعد، ۱۳: ۱۹

(۴) النساء، ۴: ۴

۵۔ وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِيْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا وَّارْزُقُوْهُمْ فِيْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا○ (۱)

’’اور تم بے سمجھوں کو اپنے (یا ان کے) مال سپرد نہ کرو جنہیں اللہ نے تمہاری معیشت کی استواری کا سبب بنایا ہے۔ ہاں انہیں اس میں سے کھلاتے رہو اور پہناتے رہو اور ان سے بھلائی کی بات کیا کرو○‘‘

سورۃ النساء کی آیت نمبر ۵ میں ’’اَمْوَالَكُمُ الَّتِيْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا‘‘ کے الفاظ قابلِ غور ہیں ان میں اموال کی ذاتی خصوصیت بیان کی گئی ہے کہ یہ انسانی زندگی کے قیام اور اس کی بقا کا باعث ہوتے ہیں یعنی ان میں اس قدر اہم منفعت مضمر ہے کہ ان پر انسانی زندگی کا انحصار ہوتا ہے۔ بنابریں باری تعالٰی نے مال و دولت، ذرائع معیشت اور تمام دنیوی اسباب و وسائل کو ’’متاع‘‘ قرار دیا ہے جیسا کہ ارشاد فرمایا گیا:

۶۔ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ج وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ○ (۲)

’’تم نیچے اتر جاؤ، تم ایک دوسرے کے دشمن رہو گے۔ اب تمہارے لئے زمین میں ہی معیّنہ مدت تک جائے قرار ہے اور نفع اٹھانا مقدّر کر دیا گیا ہے○‘‘

کائناتِ انسانی کے اموال میں مضمر عمومی نفع بخشی اور فیض رسانی کی وہ خوبی جس کی بناء پر اسے ’’متاع‘‘ قرار دیا گیا ہے۔ لفظ متاع کا معنی نفع اور فائدہ ہے اس لئے زندگی کے تمام اموال کو قرآنی اصطلاح میں ’’مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا‘‘ کہا جاتا ہے کیونکہ انسان ہر وقت ان سے فائدہ اٹھاتا ہے۔

۷۔ زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ط ذٰلِكَ

(۱) النساء، ۴: ۵

(۲) البقرة، ۲: ۳۶

مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَاج وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ○[1]

''لوگوں کے لئے ان خواہشات کی محبت (خوب) آراستہ کر دی گئی ہے (جن میں) عورتیں اور اولاد اور سونے اور چاندی کے جمع کئے ہوئے خزانے اور نشان کئے ہوئے خوبصورت گھوڑے اور مویشی اور کھیتی (شامل ہیں)، یہ (سب) دنیوی زندگی کا سامان ہے، اور اللہ کے پاس بہتر ٹھکانا ہے○''

مال کی اسی ذاتی خصوصیت کے باعث اسے خیر اور فضل سے بھی تعبیر کیا گیا ہے:

۸۔ كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرًا.[2]

''تم پر فرض ہے کہ جب تم میں سے کسی کو موت آئے اگر کچھ مال چھوڑے۔''

۹۔ وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ○[3]

''اور بے شک وہ مال کی محبت میں بہت سخت ہے○''

۱۰۔ فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِى الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ○[4]

''پھر جب نماز ادا ہو چکے تو زمین میں منتشر ہو جاؤ اور (پھر) اللہ کا فضل (یعنی رزق) تلاش کرنے لگو اور اللہ کو کثرت سے یاد کرو تاکہ تم فلاح پاؤ○''

۵۔ بالقوہ افادیت اور بالفعل افادیت

ہر شے کے اندر مخفی (Potential) طور پر موجود نفع بخشی اور سود مندی کی یہ خصوصیت جو اللہ تعالیٰ نے اس کی غرض تخلیق کے طور پر پیدا کی ہے جب تک بالفعل ظاہر

(۱) آل عمران، ۳: ۱۴

(۲) البقرۃ، ۲: ۱۸۰

(۳) العادیات، ۱۰۰: ۸

(۴) الجمعۃ، ۶۲: ۱۰

منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش www.MinhajBooks.com

(Actualise) نہ ہو بنی نوع انسان اس سے کوئی عملی اور حقیقی فائدہ نہیں اٹھا سکتی اس لئے ضرورت اس امر کی ہوتی ہے کہ ہر مال (Property) کی بالقوہ افادیت (Potential Utility) کو بالفعل افادیت (Actual Utility) میں بدلنے کا اہتمام کیا جائے تاکہ اس کی یہ طبعی اور خلقی خصوصیت غیر سودمند، بے جان اور غیر متحرک بن کر نہ پڑی رہے بلکہ اس سے صحیح معنوں میں خلقِ خدا کو فائدہ پہنچے یعنی جس مقصد کے لئے اسے پیدا کیا گیا تھا وہ واقعتاً پورا ہو سکے۔

۶۔ علّتِ ملکیت

مذکورہ بالا مقصد ہی حقیقت میں مختلف اشیاء و اموال پر کسی کے حقِ ملکیت کے تسلیم کئے جانے کی اصل علت (Effective Cause) ہے۔ جب تک ان اشیاء و اموال پر کسی کو قبضہ وتصرف کا حق حاصل نہیں ہو جاتا اس پر کوئی محنت نہیں کی جاسکے گی اور جب تک اس پر کوئی منظّم محنت نہ ہو گی اس کی مخفی صلاحیت اجاگر نہیں ہوسکے گی۔ لہٰذا مختلف ذرائع سے کسی شے پر کسی شخص کا حقِ ملکیت اس لئے متحقق ہوتا ہے کہ اس طرح اس شے میں اس کی دلچسپی پیدا ہوتی ہے اور اس دلچسپی کی بنا پر وہ اسے واقعتاً خلقِ خدا کے لئے نفع بخش اور سود مند بنانے کے لئے تیار ہوتا ہے۔ گویا ''ملکیت'' کسی شے کو انتفاع (فائدہ اٹھانے) کے قابل بنانے کا ذریعہ ہے، اصل مقصود ہرگز نہیں ہے۔ اس لئے شریعت نے مردہ اور غیر آباد زمینوں کو آباد کرنے والے کا حقِ ملکیت تسلیم کیا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

۱۔ من أحیا أرضاً میتۃً فھي لہ.(۱)

(۱) ۱۔ أبو داود، السنن، کتاب الخراج والإمارۃ والفيء، باب في إحیاء الموات، ۳: ۱۷۸، رقم: ۳۰۷۳

۲۔ نسائي، السنن الکبری، ۳: ۴۰۵، رقم: ۵۷۶۱

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۳۳۸، رقم: ۱۴۶۷۷

’’جو شخص کسی مردہ زمین کو زندہ کرے وہ اسی کی ملکیت ہو گی۔‘‘

٢۔ من أعمر أرضاً ليست لأحد فهو أحق.[1]

’’جس نے کسی زمین کو آباد کیا اور کسی کی نہ تھی تو آباد کرنے والا اس زمین کا مستحق ہو گا۔‘‘

اسی اصول کی بنا پر قرآن مجید میں حکم دیا گیا ہے کہ جن لوگوں کو مال و جائیداد کے صحیح انتظام و انصرام کا شعور نہ ہو، مال و جائیداد ان کے سپرد نہ کرو خواہ وہ فی الحقیقت انہی کے ملکیتی کیوں نہ ہوں کیونکہ اصل مقصود ملکیت یعنی قبضہ و تصرف نہیں بلکہ ان اموال کی افادیت اور نفع بخشی کی صحیح بحالی ہے۔ ارشاد فرمایا گیا:

١۔ وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا وَّارْزُقُوْهُمْ فِيْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا۝[2]

’’اور تم بے سمجھوں کو اپنے (یا ان کے) مال سپرد نہ کرو جنہیں اللہ نے تمہاری معیشت کی استواری کا سبب بنایا ہے۔ ہاں انہیں اس میں سے کھلاتے رہو اور پہناتے رہو اور ان سے بھلائی کی بات کیا کرو۝‘‘

مستزاد یہ کہ یتیم بچوں کے سرپرستوں کو بھی یہ ہدایت اسی اصول کے تحت دی گئی ہے کہ جب تک وہ بلوغ و رشد کی صحیح حد کو نہ پہنچیں ان کے ملکیتی اموال ان کے حوالے نہ کرو یعنی ان اموال پر ان کے قبضہ اور تصرف کا حق تب بحال ہو گا جب وہ ان کی اصل افادیت اور نفع بخشی کی صلاحیت کو کماحقہ اجاگر کرنے اور محفوظ رکھنے کے اہل ہو جائیں گے۔

---

(١) ١۔ بخاري، الصحيح، كتاب المزارعة، باب من أحيا أرضًا مواتاً، ٢: ٨٢٣، رقم: ٢٢١٠

٢۔ بيهقي، السنن الكبرى، ٦: ١٤١، رقم: ١١٥٥١

(٢) النساء، ٤: ٥

٢۔ وَابۡتَلُوا الۡيَتٰمٰى حَتّٰى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنۡ اٰنَسۡتُمۡ مِّنۡهُمۡ رُشۡدًا فَادۡفَعُوۡۤا اِلَيۡهِمۡ اَمۡوَالَهُمۡ.(١)

''اور یتیموں کی (تربیۃً) جانچ اور آزمائش کرتے رہو یہاں تک کہ نکاح (کی عمر) کو پہنچ جائیں پھر اگر تم ان میں ہوشیاری (اور حُسنِ تدبیر) دیکھ لو تو ان کے مال ان کے حوالے کر دو۔''

مذکورہ بالا آیات سے ثابت ہوا کہ افراد کو تفویضِ مال کی شرط مال و جائیداد کے مصالح و منافع کی حفاظت و رعایت کی اہلیت ہے تاکہ ملکیتِ مال کا اصل مقصد یعنی انتفاع کی خصوصیت متاثر نہ ہونے پائے۔

٧۔ حقِ اِنتفاع کی حقیقت (Usufructuary Right)

اشیاء و اموال سے نفع اٹھانے اور ان سے اپنی ضرورتیں پوری کرنے کا حق (Usufructuary Right) اصلاً تمام بنی نوع انسان میں یکساں طور پر ودیعت کیا گیا ہے لیکن ترتیب میں مالک کا حق قابض و متصرف ہونے کے باعث دوسروں پر مقدم ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جہاں بھی قرآن مجید نے مال و جائیداد کے مالکوں کو ان کے اپنے ملکیتی اموال میں سے دوسروں یعنی غیر مالکوں کو فائدہ پہنچانے کا حکم دیا ہے تو مستحقین کے انتفاع کو بطورِ حق (Lawful Right) بیان کیا گیا ہے خواہ وہ اقرباء ہوں یا یتامیٰ و مساکین، سائلین ہوں یا محرومین۔ قرآن مجید مالداروں کے مال میں محرومین اور مستحقین کا حق تسلیم کرتا ہے اور کہتا ہے کہ انہیں ان کا حق ادا کرو۔ ارشادِ ربّانی ہے:

١۔ وَفِيۡۤ اَمۡوَالِهِمۡ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالۡمَحۡرُوۡمِ ○(٢)

(١) النساء، ٤: ٦

(٢) الذاریات، ٥١: ١٩

’’اور ان کے اموال میں سائل اور محروم (سب حاجتمندوں) کا حق مقرر تھا۝‘‘

۲۔ وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ۝ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ۝(۱)

’’اور وہ (ایثار کیش) لوگ جن کے اَموال میں حصہ مقرر ہے۝ مانگنے والے اور نہ مانگنے والے محتاج کا۝‘‘

۳۔ فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ط ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللهِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۝(۲)

’’پس آپ قرابت دار کو اس کا حق ادا کرتے رہیں اور محتاج اور مسافر کو (ان کا حق)، یہ ان لوگوں کے لئے بہتر ہے جو اللہ کی رضامندی کے طالب ہیں، اور وہی لوگ مراد پانے والے ہیں۝‘‘

۴۔ وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا۝(۳)

’’اور قرابتداروں کو ان کا حق ادا کرو اور محتاجوں اور مسافروں کو بھی (دو) اور (اپنا مال) فضول خرچی سے مت اڑاؤ۝‘‘

مستزاد یہ ہے کہ لینے والے کا حق اتنا ہی ضروری اور پاکیزہ ہے جتنا کہ دینے والے کا اپنا حق یعنی مستحق افراد کا حق مالک کے حق سے کسی لحاظ سے کمتر یا گھٹیا نہیں ہے۔

۵۔ ارشاد فرمایا گیا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَ مِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ.(۴)

(۱) المعارج، ۷۰: ۲۴، ۲۵

(۲) الروم، ۳۰: ۳۸

(۳) بنی اسرائیل، ۱۷: ۲۶

(۴) البقرۃ، ۲: ۲۶۷

’’اے ایمان والو! ان پاکیزہ کمائیوں میں سے اور اس میں سے جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالا ہے (اللہ کی راہ میں) خرچ کیا کرو اور اس میں سے گندے مال کو (اللہ کی راہ میں) خرچ کرنے کا ارادہ مت کرو کہ (اگر وہی تمہیں دیا جائے تو) تم خود اسے ہرگز نہ لو۔‘‘

یہاں دیگر مستحقین کا حقِ انتفاع اصلاً مالک کے حقِ انتفاع کے برابر قرار دیا گیا ہے اور کسی کے حق کو دوسرے کے حق پر ماهیۃً ترجیح نہیں دی گئی۔ ہاں ترتیب میں ترجیح ضرور موجود ہے۔

۶۔ حقِ انتفاع کے برابر ہونے کا ذکر ایک اور مقام پر یوں کیا گیا ہے:

وَجَعَلَ فِيۡهَا رَوَاسِىَ مِنۡ فَوۡقِهَا وَبٰرَكَ فِيۡهَا وَقَدَّرَ فِيۡهَآ اَقۡوَاتَهَا فِىۡۤ اَرۡبَعَةِ اَيَّامٍؕ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيۡنَ○ (۱)

’’اور اُس کے اندر (سے) بھاری پہاڑ (نکال کر) اس کے اوپر رکھ دیئے اور اس کے اندر (معدنیات، آبی ذخائر، قدرتی وسائل اور دیگر قوتوں کی) برکت رکھی، اور اس میں (جملہ مخلوق کے لئے) غذائیں (اور سامانِ معیشت) مقرر فرمائے (یہ سب کچھ اس نے) چار دنوں (یعنی چار ارتقائی زمانوں) میں مکمل کیا، (یہ سارا رِزق اصلاً) تمام طلب گاروں (اور حاجت مندوں) کے لئے برابر ہے○‘‘

امام زمخشری (م ۵۲۸ھ) اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

قدر فيها الأقوات لأجل الطالبين لها المحتاجين إليها من المقتاتين. (۲)

(۱) حٰمٓ السجدة، ۴۱: ۱۰

(۲) زمخشري، الكشاف، ۴: ۱۸۷

''اللہ تعالیٰ نے اس (زمین) میں ضرورت مندوں، محتاجوں اور محنت کشوں کے لئے رزق مقدر کر دیا ہے۔''

سائلین کا یہی مفہوم تفسیر **بحر المحیط**، **روح المعانی** اور **الجواھر** میں بھی بیان ہوا ہے، **الزجاج** نے بھی اسی معنی کو اختیار کیا ہے۔

۸۔ حقِ تملّک کی حقیقت (Proprietary Right)

انسان فطری طور پر اپنی ضروریات کو پورا کرنا چاہتا ہے خصوصی طور پر زندگی کے بنیادی لوازمات خوراک، تن پوشی، رہائش و دیگر دنیاوی احتیاجات سے نمٹنے کے لئے اسے روپے پیسے کی ضرورت پڑتی ہے جس کے لئے وہ اکتسابِ مال کے لئے سعی و کوشش کرتا ہے۔ مال کمانا، اسے صرف کرنا اور جمع رکھنے کی خواہش بھی کرتا ہے۔ دینِ اسلام کی یہ خوبی ہے کہ اس نے اپنے ماننے والوں میں اپنی تعلیمات کی (حدود و قیود) کے ساتھ آزادی دی ہے۔ اس طرح فرد کی انفرادی اور اجتماعی ملکیت کے امور کو تسلیم کیا ہے۔

(ا) حقِ تملّک قرآن حکیم کی روشنی میں

قرآنِ حکیم میں بیان کردہ حقِ ملکیت کی وضاحت درج ذیل آیات سے کی جاسکتی ہے:

۱۔ **وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِيْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا وَّارْزُقُوْهُمْ فِيْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا**۝[(۱)]

''اور تم بے سمجھوں کو اپنے (یا ان کے) مال سپرد نہ کرو جنہیں اللہ نے تمہاری معیشت کی استواری کا سبب بنایا ہے۔ ہاں انہیں اس میں سے کھلاتے رہو اور پہناتے رہو اور ان سے بھلائی کی بات کیا کرو۝''

(۱) النساء، ۴: ۵

۲۔ کُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّکُمْ وَاشْکُرُوْا لَهٗ.[1]

’’تم اپنے رب کے رزق سے کھایا کرو اور اس کا شکر بجالایا کرو۔‘‘

۳۔ اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّ ثِقَالًا وَّ جَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ○[2]

’’تم ہلکے اور گراں بار (ہر حال میں) نکل کھڑے ہو اور اپنے مال و جان سے اللہ کی راہ میں جہاد کرو، یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم (حقیقت) آشنا ہو○‘‘

۴۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ بُیُوْتِكُمْ حَتّٰی تَسْتَاْنِسُوْا وَ تُسَلِّمُوْا عَلٰٓی اَهْلِهَا ؕ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ○[3]

’’اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو، یہاں تک کہ تم ان سے اجازت لے لو اور ان کے رہنے والوں کو (داخل ہوتے ہی) سلام کہا کرو یہ تمہارے لئے بہتر (نصیحت) ہے تاکہ تم (اس کی حکمتوں میں) غور وفکر کرو○‘‘

۵۔ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ○[4]

’’پھر اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی طرف سے اعلانِ جنگ پر خبردار ہو جاؤ اور اگر تم توبہ کر لو تو تمہارے لئے تمہارے اصل مال (جائز) ہیں، نہ تم خود ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے○‘‘

(۱) سبا، ۳۴: ۱۵

(۲) التوبۃ، ۹: ۴۱

(۳) النور، ۲۴: ۲۷

(۴) البقرۃ، ۲: ۲۷۹

۶۔ وَلَنَبۡلُوَنَّکُمۡ بِشَیۡءٍ مِّنَ الۡخَوۡفِ وَالۡجُوۡعِ وَ نَقۡصٍ مِّنَ الۡاَمۡوَالِ وَالۡاَنۡفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِیۡنَ ○[۱]

’’اور ہم ضرور بالضرور تمہیں آزمائیں گے کچھ خوف اور بھوک سے اور کچھ مالوں اور جانوں اور پھلوں کے نقصان سے، اور (اے حبیب!) آپ (ان) صبر کرنے والوں کو خوشخبری سنا دیں○‘‘

۷۔ وَالَّذِیۡنَ فِیۡۤ اَمۡوَالِہِمۡ حَقٌّ مَّعۡلُوۡمٌ ○ لِّلسَّآئِلِ وَالۡمَحۡرُوۡمِ ○[۲]

’’اور وہ (ایثار کیش) لوگ جن کے اَموال میں حصہ مقرر ہے○ مانگنے والے اور نہ مانگنے والے محتاج کا○‘‘

۸۔ وَابۡتَلُوا الۡیَتٰمٰی حَتّٰۤی اِذَا بَلَغُوا النِّکَاحَ ۚ فَاِنۡ اٰنَسۡتُمۡ مِّنۡہُمۡ رُشۡدًا فَادۡفَعُوۡۤا اِلَیۡہِمۡ اَمۡوَالَہُمۡ ۚ وَلَا تَاۡکُلُوۡہَاۤ اِسۡرَافًا وَّ بِدَارًا اَنۡ یَّکۡبَرُوۡا ؕ وَمَنۡ کَانَ غَنِیًّا فَلۡیَسۡتَعۡفِفۡ ۚ وَمَنۡ کَانَ فَقِیۡرًا فَلۡیَاۡکُلۡ بِالۡمَعۡرُوۡفِ ؕ فَاِذَا دَفَعۡتُمۡ اِلَیۡہِمۡ اَمۡوَالَہُمۡ فَاَشۡہِدُوۡا عَلَیۡہِمۡ ؕ وَکَفٰی بِاللّٰہِ حَسِیۡبًا ○[۳]

’’اور یتیموں کی (تربیۃً) جانچ اور آزمائش کرتے رہو یہاں تک کہ نکاح (کی عمر) کو پہنچ جائیں پھر اگر تم ان میں ہوشیاری (اور حُسنِ تدبیر) دیکھ لو تو ان کے مال ان کے حوالے کر دو، اور ان کے مال فضول خرچی اور جلد بازی میں (اس اندیشے سے) نہ کھا ڈالو کہ وہ بڑے ہو (کر واپس لے) جائیں گے، اور جو کوئی خوشحال ہو وہ (مالِ یتیم سے) بالکل بچا رہے اور جو (خود) نادار ہو اسے

(۱) البقرۃ، ۲: ۱۵۵

(۲) المعارج، ۷۰: ۲۴، ۲۵

(۳) النساء، ۴: ۶

(صرف) مناسب حد تک کھانا چاہئے، اور جب تم ان کے مال ان کے سپرد کرنے لگو تو ان پر گواہ بنا لیا کرو، اور حساب لینے والا اللہ ہی کافی ہے○‘‘

۹۔ وَ اٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِیْٓ اٰتٰـكُمْ. (۱)

’’اور تم (خود بھی) انہیں اللہ کے مال میں سے (آزاد ہونے کے لئے) دے دو جو اس نے تمہیں عطا فرمایا ہے۔‘‘

۱۰۔ اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَیْدِیْنَآ اَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ○ (۲)

’’کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے اپنے دستِ قدرت سے بنائی ہوئی (مخلوق) میں سے اُن کے لئے چوپائے پیدا کیے تو وہ ان کے مالک ہیں○‘‘

۱۱۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ. (۳)

’’اے ایمان والو! تم ایک دوسرے کا مال آپس میں ناحق طریقے سے نہ کھاؤ۔‘‘

۱۲۔ لَتُبْلَوُنَّ فِیْٓ اَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ. (۴)

’’(اے مسلمانو!) تمہیں ضرور بالضرور تمہارے اموال اور تمہاری جانوں میں آزمایا جائے گا۔‘‘

(۲) حقِ تملّک احادیث کی روشنی میں

قرآنی آیات کی طرح احادیثِ نبوی ﷺ میں بھی حقِ ملکیت کا جو تصور ملتا ہے۔ وہ درج ذیل ارشاداتِ نبوی ﷺ سے واضح ہو جاتا ہے:

(۱) النور، ۲۴: ۳۳
(۲) یٰسٓ، ۳۶: ۷۱
(۳) النساء، ۴: ۲۹
(۴) آل عمران، ۳: ۱۸۶

۱۔ من أحيا أرضاً ميتةً فهي له.(۱)

’’جو شخص کسی مردہ زمین کو زندہ کرے وہ اسی کی ملکیت ہو گی۔‘‘

۲۔ من أعمر أرضاً ليست لأحد فهو أحق.(۲)

’’جس نے کسی زمین کو آباد اور کسی کی نہ تھی تو آباد کرنے والا اس زمین کا مستحق ہو گا۔‘‘

۳۔ من سبق إلی ماء لم يسبقه إليه مسلم فهو له.(۳)

’’جو شخص ایسے چشمہ کی طرف سبقت کرے جس کی طرف کسی نے سبقت نہیں کی تو وہ اس کی ملکیت تصور ہو گا۔‘‘

(۳) حقِ تملّک: فقہ اِسلامی میں

تمام مذاہبِ فقہ میں فرد کے حقِ ملکیت کو تسلیم کیا گیا ہے اس ضمن میں باقاعدہ قوانین بنائے گئے ہیں مثلاً:

(۱) ۱۔ أبو داود، السنن، کتاب الخراج والإمارة والفيء، باب في إحياء الموات، ۳: ۱۷۸، رقم: ۳۰۷۳
۲۔ نسائي، السنن الکبری، ۳: ۴۰۵، رقم: ۵۷۶۱
۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۳۳۸، رقم: ۱۴۶۷۷

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، کتاب المزارعة، باب من أحيا أرضًا مواتًا، ۲: ۸۲۳، رقم: ۲۲۱۰
۲۔ بيهقي، السنن الکبری، ۶: ۱۴۱، رقم: ۱۱۵۵۱

(۳) ۱۔ أبو داود، السنن، کتاب الخراج والإمارة والفيء، باب في إقطاع الأرضين، ۳: ۱۱۷، رقم: ۳۰۷۱
۲۔ بيهقي، السنن الکبری، ۱۰: ۱۳۹

☆ قانونِ زکوٰۃ وعشر وصدقات

☆ قانونِ وراثت

☆ قانونِ نفقات/کفالت

☆ قانونِ وصیت

☆ قانونِ اجرت وغیرہ

۹۔ اِنفرادی حقِ ملکیت

اسلام نے انفرادی ملکیت کا جوحق انسان کو دیا ہے اس کی وضاحت کرتے ہوئے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۱۴۔۱۱۷۶ھ) لکھتے ہیں:

أن اللہ تعالی لما خلق الخلق وجعل معایشهم في الأرض وأباح لهم الانتفاع بما فيها وقعت بينهم المشاحة والمشاجرة فكان حكم اللہ عند ذلک تحريم أن يزاحم الإنسان صاحبه فيما اختص به لسبق يده إليه أو يد مورثه أو لوجه من الوجوه المعتبرة عندهم إلا بمبادلة أو تراض معتمد على علم من غير تدليس وركوب غرر، وأيضاً لما كان الناس مدنيين بالطبع لاتستقيم معايشهم إلا بتعاون بينهم نزل القضاء بإيجاب التعاون وأن لا يخلو أحد منهم مماله دخل في التمدن إلا عند حاجة لا يجد منها بداً. (۱)

''اللہ تعالیٰ نے جب زمین پر اپنی مخلوق پیدا کی تو ان کی معاش اور روزی بھی اسی (زمین پر) مقدر فرمائی اور زمین کی پیداوار سے ان کے لئے انتفاع مباح

(۱) شاہ ولي اللہ، حجة اللہ البالغه، ۲: ۱۰۳

کیا اور چونکہ حرص کی وجہ سے ان کے درمیان نزاع پیدا ہوا تو اس وقت اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہوا کہ کوئی شخص دوسرے کی مخصوص و مختص چیز میں کسی قسم کی مزاحمت و مداخلت نہ کرے اور یہ اس کی مخصوص چیز اس طرح ہو گی کہ اس چیز پر سب سے پہلے اس کا قبضہ ہوا ہے یا اس کے کسی مورث کا قبضہ تھا یا کسی ایسے طریقے سے اس چیز پر اس کا جو ان لوگوں میں مجموعی طور پر قبضہ اور ملکیت کے لئے معتبر مانا جاتا ہے اس قسم کے قبضہ اور ملکیت میں سوائے تبادلہ اور سوچ سمجھ کر بلا کسی فریب اور دھوکہ اور قابل اعتماد باہمی رضامندی کے کسی قسم کی مزاحمت کرنا حرام اور ناجائز ہے۔‘‘

۱۰۔ حقِ ملکیت کی صحت و مشروعیت کی شرائط

اشیاء و اموال پر افراد کا حقِ ملکیت قطعاً غیر مشروط نہیں ہے بلکہ وہ اس شرط کے ساتھ تسلیم کیا گیا ہے کہ اموال کے مقررہ حقوق پورے کئے جائیں اور اموال کے مقررہ حقوق یہ ہیں کہ دوسروں کو بھی ان کے منافع میں شریک کیا جائے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

۱۔ وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِo(۱)

’’اور اُن کے اموال میں سائل اور محروم (سب حاجتمندوں) کا حق مقرر تھاo‘‘

۲۔ وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌo لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِo(۲)

’’اور وہ (ایثار کیش) لوگ جن کے اَموال میں حصہ مقرر ہےo مانگنے والے اور نہ مانگنے والے محتاج کاo‘‘

۳۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

---

(۱) الذاریات، ۵۱: ۱۹

(۲) المعارج، ۷۰: ۲۴، ۲۵

إن في المال حقاً سوى الزكاة. [۱]

''بیشک مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی حقوق ہیں۔''

۴۔ جب تک مملوکہ مال کا حق مکمل طور پر ادا نہ کیا جائے اس کی ملکیت نہ صرف ناجائز رہتی ہے بلکہ عذابِ آخرت کا باعث بن جاتی ہے، ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

ما من صاحب كنز لا يؤدي حقه إلا جعله الله يوم القيامة يحمى عليها في نار جهنم فتكوى بها جبهته وجنبه وظهره. [۲]

''جس شخص کے پاس کوئی مال ہے اور وہ اس مال کی زکوٰہ نہیں دیتا تو قیامت کے دن دوزخ کی آگ میں اس مال کو گرم کر کے اس شخص کی پیشانی، پسلی، پیٹھ داغے جائیں گے۔''

اس سے ثابت ہوا کہ اسلام اموال کی ملکیت کو بلا شرط اور بلا قید تسلیم نہیں کرتا بلکہ اس کا جواز اور استحقاق صرف مقررہ حقوق کو پورا کرنے سے پیدا ہوتا ہے۔

۵۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اموال مملوکہ کا استعمال ان شرائط اور قیود کے تحت کرتے تھے:

كان ابن عمر رضی اللہ عنہما لا يأكل حتى يؤتي بمسكين يأكل معه. [۳]

---

(۱) ۱۔ ترمذي، السنن، كتاب الزكاة، باب ما جاء أن المال حقاً سوى الزكاة، ۳: ۴۸، رقم: ۶۶۰

۲۔ دارقطني، السنن، ۲: ۱۲۵

۳۔ سعيد بن منصور، السنن، ۵: ۱۰۰، رقم: ۹۲۶

(۲) أبو داود، السنن، كتاب الزكاة، باب في حقول المال، ۲: ۱۲۴، رقم: ۱۶۵۸

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۲۶۲، رقم: ۷۵۵۳

۳۔ بيهقي، شعب الإيمان، ۳: ۱۹۰، رقم: ۳۳۰۲

(۳) بخاري، الصحيح، كتاب الأطعمة، باب المؤمن يأكل في معي واحد، ۵: ۲۰۶۱، رقم: ۵۰۷۸

’’حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ جب تک کوئی حاجت مند مل کر کھانا نہ کھاتا، آپ کھانا تناول نہ فرماتے تھے۔‘‘

۶۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

كنا نعد الماعون على عهد رسول الله ﷺ همام الدلو و القدر. (۱)

’’ہم عہدِ رسالت مآب ﷺ میں ڈول اور ہنڈیا تک کا عاریتاً ضرورت مندوں کو دینا ماعون تصور کرتے تھے۔‘‘

یعنی ایسی اشیائے استعمال سے بھی دوسروں کو فائدہ اٹھانے دینا شرعاً لازمی تصور کرتے تھے اور ان کا منع کرنا اس قرآنی حکم ﴿وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ﴾ [الماعون، ۱۰۷:۷] کے تحت ناجائز اور دین کی تکذیب تصور کرتے تھے۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے ملکیت کا جو تصور اپنے مبارک عمل سے واضح فرمایا اسے درج ذیل ارشادات سے سمجھا جا سکتا ہے:

۷۔ **لو كان لي مثل أحد ذهباً لسرّني أن لا تمر عليّ ثلاث ليال وعندي منه شيء إلا شيئًا أرصده لدين.** (۲)

(۱) ۱۔ أبو داود، السنن، كتاب الزكاة، باب في حقول المال، ۲: ۱۲۴، رقم: ۱۶۵۷

۲۔ نسائي، السنن الكبرى، ۶: ۵۲۲، رقم: ۱۱۷۰۱

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الرقاق، باب قول النبي ﷺ ما يسرني أن عندي مثل أحد هذا ذهبًا، ۵: ۲۳۶۸، رقم: ۶۰۸۰

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الزكاة، باب تغليظ عقوبة من لا يؤدي الزكاة، ۲: ۶۸۷، رقم: ۹۹۱

۳۔ ابن حبان، الصحيح، ۱۴: ۲۶۰، رقم: ۶۳۵۰

۴۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۵: ۳۵۴، رقم: ۱۰۷۳۸

’’اگر میرے پاس احد (پہاڑ) کی مثل بھی سونا ہوتو مجھے تب خوشی ہوگی کہ اس پر تین راتیں نہ گزر جائیں (اور میں نے ان کو صدقہ نہ کیا ہو) اور میرے پاس سوائے اس شے کے جو میں نے دین ادا کرنے کے لئے رکھی ہے کچھ نہ ہو۔‘‘

۸۔ **فلما فتح الله عليه الفتوح قال: أنا أولی بالمؤمنين من أنفسهم فمن توفي من المؤمنين فترک دينًا فعليّ قضاؤه ومن ترک مالًا فلورثته.**(۱)

’’جب اللہ نے حضور نبی اکرم ﷺ کو فتوحات عطا فرمائیں تو آپ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ میں مؤمنین کا متولی ہوں جو ان میں سے فوت ہو جائے اور قرض چھوڑ جائے تو اس کی ادائیگی میرے ذمے ہے اور اگر مال چھوڑ گیا تو وہ اس کے ورثاء کا ہوگا۔‘‘

ہماری بدقسمتی ہے کہ ہم نے ایسے تمام احکام کی عملی اہمیت کم کرنے کے لئے انہیں محض نفلی اور اضافی نیکی یعنی مستحبات میں شمار کر لیا ہے حالانکہ حضور نبی اکرم ﷺ کے قول و عمل سے ان کا وجوب اور لزوم ہی ثابت ہوتا ہے۔

۹۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا:

إن الله فرض علی الأغنياء المسلمين في أموالهم بقدر الذي ما يسع فقراءهم.(۲)

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، کتاب الکفالة، باب الدين، ۲: ۸۰۵، رقم: ۲۱۷۶

۲۔ مسلم، الصحيح، کتاب الفرائض، باب من ترک مالاً فلورثته، ۳: ۱۲۳۷، رقم: ۱۶۱۹

۳۔ ترمذي، السنن، کتاب الجنائز، باب ما جاء في الصلاة علی الماوردي، ۳: ۳۸۲، رقم: ۱۰۷۰

(۲) ۱۔ سعيد بن منصور، السنن، ۵: ۱۰۹، رقم: ۳۵۷۸

''اللہ تعالیٰ نے اغنیاء کے مال سے اس قدر (صدقہ) فرض فرمایا ہے جس سے فقراء کا فقر ختم ہو جائے۔''

۱۱۔ زائد اَز ضرورت مال کی شرعی حیثیت

اموال پر قابض و متصرف ہونے کی بنا پر مالک کا حق دوسروں کے نفع اٹھانے کے حق پر مقدم ہوتا ہے یعنی پہلے مالک کو حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنے اموال سے اپنی ضروریات پوری کرے اور بعد میں زائد از ضرورت مال (Surplus Property) میں سے دوسروں کی ضروریات پوری کرنے پر خرچ کرے۔ یہ تصور ان احکام پر مبنی ہے:

۱۔ ارشادِ ربّانی ہے:

يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ط قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ط وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ○ (۱)

''آپ سے پوچھتے ہیں کہ (اللہ کی راہ میں) کیا خرچ کریں، فرما دیں جس قدر بھی مال خرچ کرو (درست ہے)، مگر اس کے حقدار تمہارے ماں باپ ہیں اور قریبی رشتہ دار ہیں اور یتیم ہیں اور محتاج ہیں اور مسافر ہیں، اور جو نیکی بھی تم کرتے ہو بیشک اللہ اسے خوب جاننے والا ہے ○''

۲۔ حدیثِ نبوی ﷺ ہے:

يا ابن آدم إنک أن تبذل الفضل خيرلک وأن تمسکه شرلک

۲۔ ہيثمي، مجمع الزوائد، ۳: ۶۲، رقم: ۴۳۲۴

۳۔ ابن حزم، المحلی، ۶: ۱۵۸

(۱) البقرة، ۲: ۲۱۵

ولا تلام علی کفاف وابدأ بمن تعول. (۱)

''اے اولادِ آدم! ضرورت سے زائد تمہارا مال کوخرچ کرنا بہتر ہے اور روک کر رکھنا تمہارے لئے شر ہے ہاں اس قدر بچانا قابل ملامت نہیں جو تیری ضرورت کے لئے کافی ہو اور انفاق کا آغاز ان سے کر جن کی ذمہ داری تجھ پر عائد ہوتی ہے۔''

اس حدیث کی رُو سے صرف اسی قدر مال بچا کر رکھنے پر ملامت نہیں ہے جو ضروریات کے لئے کافی ہو اس سے زائد رکھنا بہتر ہے اور اس میں سے دوسروں پر خرچ کرنا لازم ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۱۴۔۱۱۷۶ھ) بھی اس تصور کی تائید ان الفاظ میں کرتے ہیں:

معنی الملک في حق الآدمي کونه أحق بالانتفاع من غیره. (۲)

''زمین پر آدمی کے حق ملکیت کا مطلب صرف یہ ہے کہ انتفاع کا حق، قابض کو دوسرے کی نسبت زیادہ ہے۔''

۱۲۔ حقِ تملّک اور حقِ اِنتفاع میں فرق

اسلام کے تصورِ ملکیت میں اموال پر قبضہ و تصرف (Proprietary Rights) کسی حد تک تو خالصتاً انفرادی حق تسلیم کیا گیا ہے کوئی اس میں کسی کو شریک

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الزکاة، باب بیان أن الید العلیا خیر من الید السفلی، ۲: ۷۱۸، رقم: ۱۰۳۶

۲۔ ترمذي، السنن، کتاب الزھد، باب ۳۲، ۴: ۵۷۳، رقم: ۲۳۴۳

۳۔ بیہقي، السنن الکبری، ۴: ۱۸۲، رقم: ۷۵۷۰

(۲) شاہ ولي اللہ، حجة اللہ البالغة، ۲: ۱۰۳

کرے یا نہ کرے شریعت اس سے تعرض نہیں کرتی۔ مگر انتفاع یعنی اموال کی نفع بخشی اور سود مندی (Usufructuary Rights) میں محض انفرادی اور نجی حق شریعت کی رو سے کلیتًا غیر اسلامی ہے۔ اس میں ہر شخص دوسرے کے حقوق کی ادائیگی کا پابند ہے۔ زکوٰۃ، صدقات اور انفاق کے تمام احکام اس دعوے کے بیّن دلائل ہیں۔ اگر اشیاء اموال کی مادی حیثیت ''Corpus'' کی ملکیت یعنی ان کے قبضہ و تصرف کی مانند ان کے منافع اور فوائد (Usufructs) کی ملکیت کو بھی مطلقاً نجی اور انفرادی ضرورت تک مختص رکھنے کی اجازت ہوتی تو شریعت لوگوں کے کمائے ہوئے مال و دولت پر زکوٰۃ، صدقات اور انفاق کے وجوبی اور لازمی احکام صادر نہ کرتی۔ یہ احکام مال کے قبضہ و تصرف میں شرکت کا مطالبہ نہیں کرتے بلکہ صرف ان کے حقِ انتفاع میں دوسروں کی شرکت کا مطالبہ کرتے ہیں جس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ شریعتِ اسلامیہ میں مال (Property) کے قبضہ و تصرف کی حیثیت اس کے انتفاع کی حیثیت سے مختلف ہے۔ انتفاع میں اجتماعی حق جبکہ قبضہ اور تصرف میں بالعموم انفرادی حق زیادہ اہمیت کے ساتھ ملحوظ رکھا جاتا ہے اس تصور کی تائید ان قرآنی آیات سے ہوتی ہے:

۱۔ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ط نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ○ وَ اِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَ قُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ○ (۱)

''مردوں کے لئے اس (مال) میں سے حصہ ہے جو ماں باپ اور قریبی رشتہ داروں نے چھوڑا ہو اور عورتوں کے لئے (بھی) ماں باپ اور قریبی رشتہ داروں کے ترکہ میں سے حصہ ہے۔ وہ ترکہ تھوڑا ہو یا زیادہ (اللہ کا) مقرر کردہ حصہ ہے ○ اور اگر تقسیمِ (وراثت) کے موقع پر (غیر وارث) رشتہ دار اور یتیم اور محتاج

(۱) النساء، ۴: ۷، ۸

موجود ہوں تو اس میں سے کچھ انہیں بھی دے دو اوران سے نیک بات کہو○“

۲۔ لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ج وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَ فِى الرِّقَابِ ج وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ج وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ج وَالصّٰبِرِيْنَ فِى الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ط اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ط وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ○(۱)

”نیکی صرف یہی نہیں کہ تم اپنے منہ مشرق اور مغرب کی طرف پھیر لو بلکہ اصل نیکی تو یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور (اللہ کی) کتاب پر اور پیغمبروں پر ایمان لائے، اور اللہ کی محبت میں (اپنا) مال قرابت داروں پر اور یتیموں پر اور محتاجوں پر اور مسافروں پر اور مانگنے والوں پر اور (غلاموں کی) گردنوں (کو آزاد کرانے) میں خرچ کرے، اور نماز قائم کرے اور زکوٰۃ دے اور جب کوئی وعدہ کریں تو اپنا وعدہ پورا کرنے والے ہوں، اور سختی (تنگدستی) میں اور مصیبت (بیماری) میں اور جنگ کی شدّت (جہاد) کے وقت صبر کرنے والے ہوں، یہی لوگ سچے ہیں اور یہی پرہیز گار ہیں○“

۳۔ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ط وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَىْءٍ فَاِنَّ اللهَ بِهٖ عَلِيْمٌ○(۲)

”تم ہرگز نیکی کو نہیں پہنچ سکو گے جب تک تم (اللہ کی راہ میں) اپنی محبوب چیزوں میں سے خرچ نہ کرو، اور تم جو کچھ بھی خرچ کرتے ہو بیشک اللہ اسے

(۱) البقرۃ، ۲: ۱۷۷

(۲) آل عمران، ۳: ۹۲

خوب جاننے والا ہےo‘‘

۴۔ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ط اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ط وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌo اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَ يَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُo(۱)

’’آپ ان کے اموال میں سے صدقہ (زکوٰۃ) وصول کیجئے کہ آپ اس (صدقہ) کے باعث انہیں (گناہوں سے) پاک فرما دیں اور انہیں (ایمان و مال کی پاکیزگی سے) برکت بخش دیں اور ان کے حق میں دعا فرمائیں، بیشک آپ کی دعا ان کے لئے (باعثِ) تسکین ہے، اور اللہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہےo کیا وہ نہیں جانتے کہ بیشک اللہ ہی تو اپنے بندوں سے (ان کی) توبہ قبول فرماتا ہے اور صدقات (یعنی زکوٰۃ و خیرات اپنے دستِ قدرت سے) وصول فرماتا ہے اور یہ کہ اللہ ہی بڑا توبہ قبول فرمانے والا نہایت مہربان ہےo‘‘

۵۔ اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَo(۲)

’’جو غیب پر ایمان لاتے اور نماز کو (تمام حقوق کے ساتھ) قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں عطا کیا ہے اس میں سے (ہماری راہ) میں خرچ کرتے ہیںo‘‘

۶۔ وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ جَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَo الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَ الضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَ الْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ط وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَo(۳)

(۲) البقرۃ، ۲: ۳

(۱) التوبۃ، ۹: ۱۰۳، ۱۰۴

(۳) آل عمران، ۳: ۱۳۳، ۱۳۴

’’اور اپنے رب کی بخشش اور اس جنت کی طرف تیزی سے بڑھو جس کی وسعت میں سب آسمان اور زمین آجاتے ہیں، جو پرہیزگاروں کے لئے تیار کی گئی ہےo یہ وہ لوگ ہیں جو فراخی اور تنگی (دونوں حالتوں) میں خرچ کرتے ہیں اور غصہ ضبط کرنے والے ہیں اور لوگوں سے (ان کی غلطیوں پر) درگزر کرنے والے ہیں، اور اللہ احسان کرنے والوں سے محبت فرماتا ہےo‘‘

۷۔ فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَكْرَمَنِo وَاَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَهَانَنِo كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَo وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِo وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّاo وَّ تُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّاo كَلَّآ اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّاo وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّاo وَجِايْٓءَ يَوْمَئِذٍۭ بِجَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ يَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰىo(۱)

’’مگر انسان (ایسا ہے) کہ جب اس کا رب اسے (راحت و آسائش دے کر) آزماتا ہے اور اسے عزت سے نوازتا ہے اور اسے نعمتیں بخشتا ہے تو وہ کہتا ہے: میرے رب نے مجھ پر کرم فرمایاo لیکن جب وہ اسے (تکلیف و مصیبت دے کر) آزماتا ہے اور اس پر اس کا رزق تنگ کرتا ہے تو وہ کہتا ہے: میرے رب نے مجھے ذلیل کر دیاo یہ بات نہیں بلکہ (حقیقت یہ ہے کہ عزت اور مال و دولت کے ملنے پر) تم یتیموں کی قدر و اِکرام نہیں کرتےo اور نہ ہی تم مسکینوں (یعنی غریبوں اور محتاجوں) کو کھانا کھلانے کی (معاشرے میں) ایک دوسرے کو ترغیب دیتے ہوo اور وراثت کا سارا مال سمیٹ کر (خود ہی) کھا جاتے ہو (اس میں سے افلاس زدہ لوگوں کا حق نہیں نکالتے)o اور تم مال و دولت سے حد درجہ محبت رکھتے ہوo یقیناً جب زمین پاش پاش کرکے ریزہ ریزہ کر دی

(۱) الفجر، ۸۹: ۱۵۔ ۲۳

جائے گیo اور آپ کا رب جلوہ فرما ہو گا اور فرشتے قطار در قطار (اس کے حضور) حاضر ہوں گے o اور اس دن دوزخ پیش کی جائے گی، اس دن انسان کو سمجھ آ جائے گی مگر (اب) اسے نصیحت کہاں (فائدہ مند) ہو گیo‘‘

۸۔ یَقُوْلُ اَهْلَکْتُ مَالًا لُّبَدًاo اَیَحْسَبُ اَنْ لَّمْ یَرَهٗٓ اَحَدٌo اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَیْنَیْنِo وَلِسَانًا وَّشَفَتَیْنِo وَهَدَیْنٰهُ النَّجْدَیْنِo فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَo[1]

’’وہ (بڑے فخر سے) کہتا ہے کہ میں نے ڈھیروں مال خرچ کیا ہے o کیا وہ یہ خیال کرتا ہے کہ اسے (یہ فضول خرچیاں کرتے ہوئے) کسی نے نہیں دیکھاo کیا ہم نے اس کے لئے دو آنکھیں نہیں بنائیں؟o اور (اسے) ایک زبان اور دو ہونٹ (نہیں دیئے)؟o اور ہم نے اسے (خیر و شر کے) دو نمایاں راستے (بھی) دکھا دیئے o وہ تو (دینِ حق اور عملِ خیر کی) دشوار گزار گھاٹی میں داخل ہی نہیں ہواo‘‘

۹۔ وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقَکُمُ اللهُ قَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنُطْعِمُ مَنْ لَّوْ یَشَآءُ اللهُ اَطْعَمَهٗٓ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍo[2]

’’اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ تم اس میں سے (راہِ خدا میں) خرچ کرو جو تمہیں اللہ نے عطا کیا ہے تو کافر لوگ ایمان والوں سے کہتے ہیں کیا ہم اس (غریب) شخص کو کھلائیں جسے اگر اللہ چاہتا تو (خود ہی) کھلا دیتا۔ تم تو کھلی گمراہی میں ہی (مبتلا) ہو گئے ہوo‘‘

۱۰۔ اٰمِنُوْا بِاللهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ اَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَکُمْ مُّسْتَخْلَفِیْنَ فِیْهِ ط فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَاَنْفَقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ کَبِیْرٌo[3]

(۱) البلد، ۹۰: ۶۔ ۱۱

(۲) یٰس، ۳۶: ۴۷

(۳) الحدید، ۵۷: ۷

’’اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) پر ایمان لاؤ اور اس (مال و دولت) میں سے خرچ کرو جس میں اس نے تمہیں اپنا نائب (وامین) بنایا ہے، پس تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے خرچ کیا اُن کے لئے بہت بڑا اجر ہے o‘‘

۱۱۔ وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِی الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِی الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ط اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَاO نِ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰـهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ط وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًاO وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ط وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا فَسَآءَ قَرِيْنًاO وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ ط وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِيْمًاO (۱)

’’اور تم اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو اور رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں (سے) اور نزدیکی ہمسائے اور اجنبی پڑوسی اور ہم مجلس اور مسافر (سے)، اور جن کے تم مالک ہو چکے ہو، (ان سے نیکی کیا کرو)، بیشک اللہ اس شخص کو پسند نہیں کرتا جو تکبّر کرنے والا (مغرور) فخر کرنے والا (خود بین) ہوo جو لوگ (خود بھی) بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو (بھی) بخل کا حکم دیتے ہیں اور اس (نعمت) کو چھپاتے ہیں جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے عطا کی ہے، اور ہم نے کافروں کے لئے ذلت انگیز عذاب تیار کر رکھا ہے o اور جو لوگ اپنے مال لوگوں کے دکھاوے کے لئے خرچ کرتے ہیں اور نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ یومِ آخرت پر،

(۱) النساء، ۴: ۳۶۔۳۹

اور شیطان جس کا بھی ساتھی ہو گیا تو وہ برا ساتھی ہےo اور ان کا کیا نقصان تھا اگر وہ اللہ پر اور یومِ آخرت پر ایمان لے آتے اور جو کچھ اللہ نے انہیں دیا تھا اس میں سے (اس کی راہ میں) خرچ کرتے اور اللہ ان (کے حال) سے خوب واقف ہےo‘‘

۱۲۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡٓا اَنۡفِقُوۡا مِمَّا رَزَقۡنٰکُمۡ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ یَّاۡتِیَ یَوۡمٌ لَّا بَیۡعٌ فِیۡہِ وَلَا خُلَّۃٌ وَّلَا شَفَاعَۃٌ ؕ وَالۡکٰفِرُوۡنَ ھُمُ الظّٰلِمُوۡنَo(۱)

’’اے ایمان والو! جو کچھ ہم نے تمہیں عطا کیا ہے اس میں سے (اللہ کی راہ میں) خرچ کرو قبل اس کے کہ وہ دن آ جائے جس میں نہ کوئی خرید و فروخت ہو گی اور (کافروں کے لئے) نہ کوئی دوستی (کارآمد) ہو گی اور نہ (کوئی) سفارش، اور یہ کفار ہی ظالم ہیںo‘‘

۱۳۔ اَلۡاَعۡرَابُ اَشَدُّ کُفۡرًا وَّ نِفَاقًا وَّ اَجۡدَرُ اَلَّا یَعۡلَمُوۡا حُدُوۡدَ مَآ اَنۡزَلَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوۡلِہٖ ؕ وَاللّٰہُ عَلِیۡمٌ حَکِیۡمٌo وَمِنَ الۡاَعۡرَابِ مَنۡ یَّتَّخِذُ مَا یُنۡفِقُ مَغۡرَمًا وَّ یَتَرَبَّصُ بِکُمُ الدَّوَآئِرَ ؕ عَلَیۡہِمۡ دَآئِرَۃُ السَّوۡءِ ؕ وَاللّٰہُ سَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌo وَ مِنَ الۡاَعۡرَابِ مَنۡ یُّؤۡمِنُ بِاللّٰہِ وَ الۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَ یَتَّخِذُ مَا یُنۡفِقُ قُرُبٰتٍ عِنۡدَ اللّٰہِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوۡلِ ؕ اَلَآ اِنَّھَا قُرۡبَۃٌ لَّھُمۡ ؕ سَیُدۡخِلُھُمُ اللّٰہُ فِیۡ رَحۡمَتِہٖ ؕ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌo(۲)

’’(یہ) دیہاتی لوگ سخت کافر اور سخت منافق ہیں اور (اپنے کفر و نفاق کی شدت کے باعث) اسی قابل ہیں کہ وہ ان حدود و احکام سے جاہل رہیں جو اللہ نے اپنے رسول (ﷺ) پر نازل فرمائے ہیں اور اللہ خوب جاننے والا، بڑی حکمت

(۱) البقرۃ، ۲: ۲۵۴

(۲) التوبۃ، ۹: ۹۷۔ ۹۹

والا ہےo اور ان دیہاتی گنواروں میں سے وہ شخص (بھی) ہے جو اس (مال) کو تاوان قرار دیتا ہے جسے وہ (راہِ خدا میں) خرچ کرتا ہے اور تم پر زمانہ کی گردشوں (یعنی مصائب و آلام) کا انتظار کرتا رہتا ہے، (بلا ومصیبت کی) بری گردش انہی پر ہے، اور اللہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہےo اور بادیہ نشینوں میں (ہی) وہ شخص (بھی) ہے جو اللہ پر اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے اور جو کچھ (راہ خدا میں) خرچ کرتا ہے اسے اللہ کے حضور تقرب اور رسول (ﷺ) کی (رحمت بھری) دعائیں لینے کا ذریعہ سمجھتا ہے، سن لو، بیشک وہ ان کے لئے باعث قربِ الٰہی ہے، جلد ہی اللہ انہیں اپنی رحمت میں داخل فرما دے گا۔ بیشک اللہ بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہےo‘‘

۱۴۔ وَلَا يُنفِقُونَ نَفَقَةً صَغِيرَةً وَّ لَا كَبِيرَةً وَّلَا يَقْطَعُونَ وَادِيًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُونَo(۱)

’’اور نہ یہ کہ وہ (مجاہدین) تھوڑا خرچہ کرتے ہیں اور نہ بڑا اور نہ (ہی) کسی میدان کو (راہِ خدا میں) طے کرتے ہیں مگر ان کے لئے (یہ سب صرف و سفر) لکھ دیا جاتا ہے تاکہ اللہ انہیں (ہر اس عمل کی) بہتر جزا دے جو وہ کیا کرتے تھےo‘‘

۱۵۔ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ ط وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌo(۲)

’’اے ایمان والو! ان پاکیزہ کمائیوں میں سے اور اس میں سے جو ہم نے

(۱) التوبة، ۹: ۱۲۱
(۲) البقرة، ۲: ۲۶۷

تمہارے لئے زمین سے نکالا ہے (اللہ کی راہ میں) خرچ کیا کرو اور اس میں سے گندے مال کو (اللہ کی راہ میں) خرچ کرنے کا ارادہ مت کرو کہ (اگر وہی تمہیں دیا جائے تو) تم خود اسے ہرگز نہ لو سوائے اس کے کہ تم اس میں چشم پوشی کرلو، اور جان لو کہ بیشک اللہ بے نیاز لائقِ ہر حمد ہےo‘‘

۱۶۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَیْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ نَجْوٰکُمْ صَدَقَةً ؕ ذٰلِکَ خَیْرٌ لَّکُمْ وَ اَطْهَرُ ؕ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌo(۱)

’’اے ایمان والو! جب تم رسول (ﷺ) سے کوئی راز کی بات تنہائی میں عرض کرنا چاہو تو اپنی رازدارانہ بات کہنے سے پہلے کچھ صدقہ وخیرات کرلیا کرو، یہ (عمل) تمہارے لئے بہتر اور پاکیزہ تر ہے، پھر اگر (خیرات کے لئے) کچھ نہ پاؤ تو بیشک اللہ بہت بخشنے والا بہت رحم فرمانے والا ہےo‘‘

۱۷۔ وَفِیْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِo(۲)

’’اور اُن کے اموال میں سائل اور محروم (سب حاجتمندوں) کا حق مقرر تھاo‘‘

۱۸۔ وَالَّذِیْنَ فِیْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌo لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِo(۳)

’’اور وہ (ایثار کیش) لوگ جن کے اَموال میں حصہ مقرر ہےo مانگنے والے اور نہ مانگنے والے محتاج کاo‘‘

۱۹۔ فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ وَالْمِسْکِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ ؕ ذٰلِکَ خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ یُرِیْدُوْنَ وَجْهَ اللهِ وَ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَo(۴)

(۱) المجادلة، ۵۸: ۱۲

(۲) الذاریات، ۵۱: ۱۹

(۳) المعارج، ۷۰: ۲۴، ۲۵

(۴) الروم، ۳۰: ۳۸

’’پس آپ قرابت دار کو اس کا حق ادا کرتے رہیں اور محتاج اور مسافر کو (ان کا حق)، یہ ان لوگوں کے لئے بہتر ہے جو اللہ کی رضا مندی کے طالب ہیں، اور وہی لوگ مراد پانے والے ہیں o‘‘

۲۰۔ وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا o(۱)

’’اور قرابتداروں کو انکا حق ادا کرو اور محتاجوں اور مسافروں کو بھی (دو) اور (اپنا مال) فضول خرچی سے مت اڑاؤ o‘‘

۱۳۔ اِرتکازِ دولت کی حیثیت

اگر کوئی شخص اپنے مملوکہ اموال کی آمدنی اور منافع اس خیال سے کہ یہ میری ذاتی ملکیت ہے، صرف اپنی ضروریات اور آسائشوں تک رکھے اور ان سے دوسروں کو فائدہ نہ اٹھانے دے یعنی دوسرے مستحقین کے شرعاً تسلیم شدہ حقوق پورے نہ کرے تو اسے دولت کا جمع کرنا یا ارتکاز و اکتناز کہا جائے گا اور یہ امر شریعت میں حرام بلکہ باعثِ عذابِ جہنم ہے باوجود اس کے کہ اس نے وہ ساری دولت اپنے جائز ملکیتی ذرائع سے کمائی ہے۔

۱۔ ارشادِ ربّانی ہے:

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ o يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ط هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ o(۲)

’’اور جو لوگ سونا اور چاندی کا ذخیرہ کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ

(۱) بنی اسرائیل، ۱۷: ۲۶

(۲) التوبة، ۹: ۳۴، ۳۵

نہیں کرتے تو انہیں دردناک عذاب کی خبر سنا دیںo جس دن اس (سونے، چاندی اور مال) پر دوزخ کی آگ میں تاپ دی جائے گی پھر اس (تپے ہوئے مال) سے ان کی پیشانیاں اور ان کے پہلو اور ان کی پیٹھیں داغی جائیں گی، (اور ان سے کہا جائے گا) کہ یہ وہی (مال) ہے جو تم نے اپنی جانوں (کے مفاد) کے لئے جمع کیا تھا سو تم (اس مال کا) مزہ چکھو جسے تم جمع کرتے رہے تھےo‘‘

۲۔ **کَیۡ لَا یَکُوۡنَ دُوۡلَةًۢ بَیۡنَ الۡاَغۡنِیَآءِ مِنۡکُمۡ.** (۱)

’’تاکہ (سارا مال صرف) تمہارے مال داروں کے درمیان ہی نہ گردش کرتا رہے (بلکہ معاشرے کے تمام طبقات میں گردش کرے)۔‘‘

۳۔ **اَلَّذِیۡ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗo یَحۡسَبُ اَنَّ مَالَهٗۤ اَخۡلَدَهٗo کَلَّا لَیُنۡۢبَذَنَّ فِی الۡحُطَمَةِo وَمَآ اَدۡرٰکَ مَا الۡحُطَمَةُo نَارُ اللهِ الۡمُوۡقَدَةُo الَّتِیۡ تَطَّلِعُ عَلَی الۡاَفۡـِٕدَةِo اِنَّهَا عَلَیۡهِمۡ مُّؤۡصَدَةٌo فِیۡ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍo** (۲)

’’(خرابی و تباہی ہے اس شخص کے لئے) جس نے مال جمع کیا اور اسے گن گن کر رکھتا ہےo وہ یہ گمان کرتا ہے کہ اس کی دولت اسے ہمیشہ زندہ رکھے گیo ہرگز نہیں! وہ ضرور **حطمه** (یعنی چورا چورا کردینے والی آگ) میں پھینک دیا جائے گاo اور آپ کیا سمجھے ہیں کہ **حطمه** (چورا چورا کردینے والی آگ) کیا ہے؟o (یہ) اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ ہےo جو دلوں پر (اپنی اذیت کے ساتھ) چڑھ جائے گیo بیشک وہ (آگ) ان لوگوں پر ہر طرف سے بند کر دی جائے گیo (بھڑکتے شعلوں کے) لمبے لمبے ستونوں میں (اور ان لوگوں

(۱) الحشر، ۵۹: ۷

(۲) الهمزة، ۱۰۴: ۲۔ ۹

کے لئے کوئی راہِ فرار نہ رہے گی)o“

بنا بریں احتکار کو باعثِ عذاب اور محتکر کو ملعون قرار دیا گیا ہے۔

الغرض اسلام کا تصورِ ملکیت اپنے معنی و مفہوم اور روح کے اعتبار سے انفرادی حیثیت کا حامل ہے اور اسلام کے معاشی نظام کی وہ خشتِ اوّل ہے جو اس کی پوری ساخت و تشکیل کو دنیا کے دیگر معاشی نظامات سے ممتاز و ممیّز کرتی ہے اور انسانیت کی فلاح و بہبود کی ضمانت فراہم کرنے میں تیقن کے ساتھ سرفہرست ہے۔

تحدیدِ ملکیت (Limitation of Ownership)

اسلام انفرادی اور اجتماعی حقِ ملکیت کو تسلیم کرتا ہے لیکن اس میں نظم و ضبط اور اس کے غلط استعمال کو روکنے کی غرض سے چند حدود و قیود لگاتا ہے۔ خصوصی طور پر اگر کسی معاشرے میں معاشی ناہمواری اس حد تک بڑھ جائے کہ غرباء کا استحصال شروع ہو جائے اور اس حد تک پہنچ جائے کہ ان کے لیے زندگی گزارنا دوبھر ہو جائے تو اسلامک اسٹیٹ کے صاحبانِ اقتدار کو حق حاصل ہو جاتا ہے کہ وہ اسلامی اصولوں پر عمل کرتے ہوئے تحدیدِ ملکیت کریں۔ اسلامی حکومت اصحابِ ثروت کو اس امر پر مجبور کر سکتی ہے کہ وہ شریعت کے عائد کردہ حقوق ادا نہ کرنے کی صورت میں مقررہ حد سے زیادہ ملکیت نہ رکھیں اور اسلامی اسٹیٹ کا فرض ہے کہ وہ حالات و واقعات کے تناظر میں ملکیت کی حدود مقرر کرے اس حقیقت کا ثبوت ہمیں درج ذیل احادیثِ نبوی ﷺ سے بھی ملتا ہے:

۱۔ من كان معه فضل ظهر فليعد به على من لا ظهر له ومن كان له فضل زاد فليعد به على من لا زاد له قال: فذكر أصناف المال ما ذكر حتى رأينا أنه لا حق لأحد منا في فضل.(۱)

(۱) ا۔ مسلم، الصحيح، كتاب اللقطة، باب استحباب المؤاساة بفضول المال، ۳: ۱۳۵۴، رقم: ۱۷۲۸

’’جس کے پاس زائد سواری ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اسے اس شخص کو لوٹا دے جس کے پاس سواری نہیں ہے اور جس کے پاس زائد ساز و سامان ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اسے اس شخص کو لوٹا دے جس کے پاس سامان نہیں ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے مختلف اصناف کا ذکر فرمایا حتی کہ ہم سمجھے کہ ہم میں سے کسی کو بھی ضرورت سے زائد اشیاء اپنے پاس رکھنے کا کوئی حق نہیں۔‘‘

۲۔ دوسری روایت میں آپ ﷺ نے فرمایا:

لا تمنعوا فضل الماء لتمنعوا به فضل الكلأ. (۱)

’’فالتو پانی مت روکو اس غرض سے کہ فالتو گھاس روک سکو۔‘‘

عصرِ حاضر میں کئی مواقع پر بعض حضرات نے حکومت کی طرف سے تحدیدِ ملکیت کرنے پر اعتراضات کیے ہیں۔ اپنے مؤقف کے حق میں انہوں نے کچھ آیاتِ قرآنی کے حوالے بھی دیئے ہیں۔ ان آیات کے باب میں ان کی پیش کردہ توضیح اور اِستدلال مغالطوں پر مبنی ہے۔ ذیل میں ہم ان کا جائزہ پیش کرتے ہیں:

.... ۲۔ أبو داود، السنن، کتاب الزکاة، باب في حقوق المال، ۲: ۱۲۵، رقم: ۱۶۶۳

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۳۴، رقم: ۱۱۳۱۱

۴۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۴: ۱۸۲، رقم: ۷۵۷۱

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، کتاب المساقاة، باب من قال إن صاحب الماء أحق بالماء، ۲: ۸۳۰، رقم: ۲۲۲۶

۲۔ مسلم، الصحيح، کتاب المساقاة، باب تحريم فضل بيع الماء الذي يكون بالفلاة ويحتاج إليه لراعي الكلأ وتحريم منع بذله وتحريم بيع ضراب الفحل، ۳: ۱۱۹۸، رقم: ۱۵۶۶

تحدیدِ ملکیت کے منافی نقطہ نظر رکھنے والوں کے دلائل اور اُن کا ردّ

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اسلام میں تحدیدِ ملکیت کا کوئی تصور نہیں۔ اپنے اس مؤقف کو ثابت کرنے کے لیے وہ جو دلائل پیش کرتے ہیں ذیل میں ہم ان کا تجزیہ کرتے ہیں اور ساتھ ہی ان کا ردّ بھی پیش کرتے ہیں تاکہ حقیقت آشکار ہو سکے اور عامۃ الناس کو مسئلے کا صحیح ادراک حاصل ہو:

دلیل نمبر ۱

ملکیت کی عدم تحدید کے ضمن میں وہ قرآن مجید کی درج ذیل آیت کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں:

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللهِ رِزْقُهَا وَ یَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَ مُسْتَوْدَعَهَا ؕ کُلٌّ فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ○[(۱)]

''اور زمین میں کوئی چلنے پھرنے والا (جاندار) نہیں ہے مگر (یہ کہ) اس کا رزق اللہ (کے ذمۂ کرم) پر ہے اور وہ اس کے ٹھہرنے کی جگہ کو اور اس کے امانت رکھے جانے کی جگہ کو (بھی) جانتا ہے، ہر بات کتابِ روشن (لوحِ محفوظ) میں (درج) ہے○''

اِستدلال

تحدیدِ ملکیت کے منافی نقطہ نظر رکھنے والے افراد اس آیت کریمہ سے اپنے مؤقف کا اِستدلال اس طرح کرتے ہیں: ''چونکہ رزق کی فراہمی کا کام مذکورہ آیتِ کریمہ کے مطابق اللہ رب العزت نے اپنے ذمۂ کرم پر لے رکھا ہے۔ اب اللہ تعالیٰ کا کام ہے کہ وہ ہر ایک کو رزق فراہم کرے اور اسی کی مرضی اور اختیار ہے کہ وہ جسے چاہے اور جتنا چاہے

(۱) ہود، ۱۱: ۶

رزق عطا فرمائے۔ اس کے دیئے ہوئے مال اور رزق میں کسی قسم کی حد قائم کرنا اس کے منشاء اور فیصلہ کے خلاف ہے۔ لہٰذا اس آیت مبارکہ کی رو سے تحدیدِ ملکیت جائز نہیں ہے۔‘‘

اِستدلال کا ردّ / جواب

مذکورہ بالا نظریہ کے حامل افراد کو یہ بات مدنظر رکھنی چاہیے کہ اس آیتِ کریمہ میں بنیادی بات جو بیان ہوئی ہے وہ ہے ’’وعدۂ رزق‘‘۔ بنیادی کام رزق فراہم کرنا ہے۔ گویا یہ آیت وعدۂ رزق کی فراہمی پر دلالت کرتی ہے۔ تحدیدِ ملکیت اس آیت کا موضوع ہی نہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس آیت کا بنیادی موضوع رزق کی فراہمی ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے اس وعدہ کی تکمیل اسلامی حکومت(Islamic State) سے کراتا ہے۔ گویا یہ ذمہ داری نیابتاً اسلامی حکومت پر عائد ہوتی ہے کہ وہ ہر کسی کو رزق فراہم کرنے کے مواقع پیدا کرے۔ اس منشائے الٰہی کی تکمیل کے لئے State اپنا کردار ادا کرنے کی مجاز ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ جب رزق فراہم کرنے اور اس منشائے ایزدی کی تکمیل State کی ذمہ داری ہے تو اس تکمیل کے لئے حکومت کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ اگر ملک میں دولت کی تقسیم غیر متوازن ہو اور بعض کو بنیادی رزق بھی نہ مل رہا ہو اور بعض بے حدو حساب دولت کے مالک ہوں اور غیر متوازن تقسیم(Unbalanced Division) جب اس حد تک بڑھ گئی ہو کہ تقسیم کرنا اور تحدید کرنا ناگزیر اور لازمی ہو گیا ہو تو اس تقسیم میں توازن (Balance) پیدا کرنا حکومت (State) کی ذمہ داری اور اختیار ہے۔ اس ذمہ داری کے تحت اسے تحدید کرنے کا حق بھی حاصل ہو جاتا ہے۔

دلیل نمبر۲

وَمَنْ يَّتَّقِ اللهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ○ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ط

وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ فَهُوَ حَسْبُهُ ط اِنَّ اللهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ط قَدْ جَعَلَ اللهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ○[1]

”اور جو اللہ سے ڈرتا ہے وہ اس کے لئے (دنیا و آخرت کے رنج و غم سے) نکلنے کی راہ پیدا فرما دیتا ہے○ اور اسے ایسی جگہ سے رِزق عطا فرماتا ہے جہاں سے اس کا گمان بھی نہیں ہوتا، اور جو شخص اللہ پر توکل کرتا ہے تو وہ (اللہ) اسے کافی ہے، بیشک اللہ اپنا کام پورا کر لینے والا ہے، بیشک اللہ نے ہر شے کے لئے اندازہ مقرر فرما رکھا ہے○“

اِستدلال

اس آیتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ مطلقہ عورت کو ایسے ایسے طریقوں اور ایسی ایسی جگہوں سے رزق فراہم کرے گا جس کا وہ گمان بھی نہیں کر سکتی۔ گمان نہ کر سکنے کا مطلب ہے کہ اتنا زیادہ رزق عطا فرما دے گا کہ جس کا حساب ہی نہ کیا جا سکے۔ یوں بے گماں دینے کا مطلب ہے بے حساب دینا۔ اس لئے عورت کو چاہیے کہ وہ اللہ پر توکل کرے جو اللہ مطلقہ عورت کو بے حساب رزق دے سکتا ہے وہ تمام بنی نوع انسان کو بھی بے حد و حساب رزق فراہم کر سکتا ہے لہٰذا جس کو چاہے دے جس کو چاہے نہ دے۔ اور اس کے دیئے ہوئے پر حد قائم کرنا اس کے منشاء اور توکل کے خلاف ہے۔

ردّ / جواب

اس آیت میں عورت کو طلاق کے وقت توکل علیٰ اللہ کی تعلیم دی گئی ہے۔ چنانچہ آیت مبارکہ سے یہ اِستدلال کرنا کہ وہ کسی کو دے یا نہ دے یا کسی کو زیادہ دے اور کسی کو کم دے جائز نہیں ہے۔ کیونکہ اس آیت میں اس بات کی طرف اشارہ ہی نہیں ہے اس

(۱) الطلاق، ۶۵: ۲، ۳

لیے اس آیت سے یہ مفہوم نکالنا سراسر غلط ہے۔

مذکورہ آیت سے اِستدلال کرتے وقت بے گمان کو بے حساب کے معنی میں لینا بھی درست نہیں ہے۔ یہاں لفظ بے گمان کے ذریعے توکل کرنے کی تعلیم دی گئی ہے نہ کہ بے حساب کا معنی و مفہوم مراد لیا گیا ہے۔ اس طرح محولہ بالا آیت کا مفہوم تحدیدِ ملکیت کے موضوع سے کوئی تعلق نہیں رکھتا، چنانچہ اس کو تحدیدِ ملکیت کی بحث میں بطور دلیل پیش کرنا ہی غلط ہے۔

دلیل نمبر ۳

وَ لَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ط نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَ اِيَّاهُمْ. (۱)

’’اور مفلسی کے باعث اپنی اولاد کو قتل مت کرو۔ ہم ہی تمہیں رزق دیتے ہیں اور انہیں بھی (دیں گے)۔‘‘

اِستدلال

اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر فرما دیا ہے کہ ہم تمہیں رزق دیتے ہیں اور انہیں بھی دیں گے۔ رزق دینا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ حکومت کا یا کسی دوسرے شخص کا کام نہیں ہے۔ چونکہ کام اللہ کا ہے اس لیے اس کی مرضی کسی کو کم دے یا زیادہ دے۔ اس میں شکوہ کرنے، تحدید کرنے یا اس میں مداخلت کرنے کا حق کسی کو نہیں ہے۔

ردّ / جواب

اللہ رب العزت نے جب فرما دیا کہ ہم رزق دیتے ہیں تمہیں بھی اور انہیں بھی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کا منشاء یہ ہے کہ سب کو رزق ملے۔ اب اللہ کے اس منشاء ہی کی تکمیل کے لئے نظامِ ریاست میں حکومت (State) قائم ہوتی ہے۔ نظام الحقوق اور

(۱) الانعام، ۶: ۱۵۱

نظام الفرائض پر عمل درآمد کرانا حکومت کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر اللہ کا حکم آ گیا کہ نماز پڑھو۔ اب نظامِ صلوٰۃ کی تنفیذ اسلامی State کی ذمہ داری ہے۔ اسی طرح اللہ کا حکم آ گیا کہ سود حرام ہے۔ اب نظامِ معیشت میں سود کی حرمت کو Establish کرنا State کی ذمہ داری بن جاتی ہے۔ اللہ کا حکم آ گیا کہ زنا حرام ہے اور اس حکم کی خلاف ورزی کرنے والے کی سزا (حد) بھی مقرر کر دی گئی ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ سزا کون دے گا؟ اللہ نے خود آ کر تو یہ حد نہیں لگانی لہٰذا یہ حد لگانے کا فریضہ State سرانجام دے گی۔ ان مثالوں سے واضح ہو جاتا ہے کہ اللہ کی رضا مندی حکم بن جاتی ہے اور اس حکم کی تنفیذ State کی ذمہ داری (Responsibility) قرار پاتی ہے۔

اس وضاحت کے بعد آیت کا صحیح مفہوم کچھ یوں ہو گا کہ ہم نے یہ ذمہ داری لے لی ہے کہ تم سب کو اور ان کو بھی رزق بہم پہنچایا جائے۔ ہمارے اس منشاء کی تکمیل حکومت کی ذمہ داری ہے۔ گویا سب کو رزق فراہم کرنا حکومت (State) ہی کی ذمہ داری ہے۔ اپنی اس ذمہ داری کو پورا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اس منشائے ایزدی کی تکمیل میں جو رکاوٹیں، مشکلات اور مسائل در پیش ہوں ان کو بھی دور کرے۔ ان رکاوٹوں میں سے ایک رکاوٹ دولت کی غیر متوازن تقسیم بھی ہے۔ اس تقسیم کو توازن میں لانے کے لیے ضروری ہے کہ وہ تحدیدِ ملکیت کے جائز اختیار کو استعمال کرے تا کہ ہر کسی کو رزق فراہم کرنے میں آسانی ہو۔

دلیل نمبر ۴

وَ كَاَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا اَللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَاِيَّاكُمْ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ○ (۱)

''اور کتنے ہی جانور ہیں جو اپنی روزی (اپنے ساتھ) نہیں اٹھائے پھرتے

(۱) العنکبوت، ۲۹: ۶۰

اللہ انہیں بھی رزق عطا کرتا ہے اور تمہیں بھی، اور وہ خوب سننے والا جاننے والا ہے o‘‘

اِستدلال

زمین پر بسنے والے تمام جانوروں کو اللہ تعالیٰ اس حالت میں بھی رزق فراہم کر دیتا ہے جب ان کے پاس کھانے کو کچھ نہیں ہوتا اسی طرح اللہ تعالیٰ انسانوں کو بھی رزق فراہم کرتا ہے۔ اس آیت میں جانوروں کی مثال دے کر اللہ تعالیٰ نے یہ بات سمجھائی ہے کہ اللہ جس طرح جانوروں کو رزق دیتا ہے اسی طرح انسانوں کو بھی رزق دینے والا وہی ہے۔ اس کی مرضی ہے کہ جس کو چاہے زیادہ دے اور جس کو چاہے کم دے۔ اس طرح حدِ ملکیت کی نفی ہو جاتی ہے۔

ردّ / جواب

مذکورہ بالا آیت میں اللہ تعالیٰ نے جانوروں کی مثال بیان فرمائی ہے کہ اللہ ان کو جس طرح رزق دیتا ہے تمہیں بھی فراہم کرے گا۔ اس مثال پر غور کریں تو معلوم ہو گا کہ رزق دینے سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام جانوروں کے لیے رزق کے یکساں مواقع پیدا فرمائے ہیں مثلاً ایک جنگل میں اگر دو شیر ہیں تو دونوں کے لیے شکار بھی وہیں پیدا فرما دیا۔ اسی طرح تمام انسانوں کے لیے بھی رزق کے مواقع یکسر پیدا فرمائے لیکن اگر کسی وجہ سے ان مواقع میں توازن برقرار نہ رہا ہو تو ان میں توازن پیدا کرنے کے لئے State اپنا کردار ادا کرے گی جو تحدیدِ ملکیت کے قانون کے نفاذِ عمل کا آئینہ دار ہے۔

دلیل نمبر ۵

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِکَ الْمُلْکِ تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ط بِیَدِکَ الْخَیْرُ ط اِنَّکَ

عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ○ تُوۡلِجُ الَّیۡلَ فِی النَّهَارِ وَتُوۡلِجُ النَّهَارَ فِی الَّیۡلِ وَتُخۡرِجُ الۡحَیَّ مِنَ الۡمَیِّتِ وَتُخۡرِجُ الۡمَیِّتَ مِنَ الۡحَیِّ وَتَرۡزُقُ مَنۡ تَشَآءُ بِغَیۡرِ حِسَابٍ○[1]

”(اے حبیب! یوں) عرض کیجئے: اے اﷲ! سلطنت کے مالک! تُو جسے چاہے سلطنت عطا فرما دے اور جس سے چاہے سلطنت چھین لے اور تُو جسے چاہے عزت عطا فرما دے اور جسے چاہے ذلّت دے، ساری بھلائی تیرے ہی دستِ قدرت میں ہے، بیشک تُو ہر چیز پر بڑی قدرت والا ہے○ تو ہی رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور تُو ہی زندہ کو مُردہ سے نکالتا ہے اور مُردہ کو زندہ سے نکالتا ہے اور جسے چاہتا ہے بغیر حساب کے (اپنی نوازشات سے) بہرہ اندوز کرتا ہے○“

اِستدلال

اس آیتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر بیان فرما دیا ہے کہ اللہ ہی مالک الملک ہے۔ تمام کائنات اور اس کے تمام ذرائع اور وسائل کا وہی مالک ہے اور جسے وہ چاہتا ہے یہ وسائل اور ذرائع عطا فرماتا ہے اور جس سے چاہتا ہے چھین لیتا ہے۔ یہ بھی واضح کر دیا کہ جسے چاہتا ہے رزق دیتا ہے اور یہ رزق بھی بے حساب ہوتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے رزق دینے میں حساب و کتاب کی تحدید نہیں رکھی تو تحدید کرنا اللہ کی مرضی اور قرآن مجید کی تعلیم کے خلاف ہے۔

ردّ / جواب

مذکورہ آیت میں بغیر حساب کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ کوئی بھی حساب و کتاب نہ رکھے۔ اس طرح حکومت (State) کو بھی کوئی اختیار نہیں کہ وہ حساب و کتاب رکھنے کا

(۱) آل عمران، ۳: ۲۶، ۲۷

انتظام وانصرام کرے۔ **بغیر حساب** کا یہ مفہوم بالکل غلط ہے۔ اگر یہ مفہوم لیا گیا تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ محاصل (Taxes) کے سارے محکمے ختم کرنے ہوں گے اور اس کے ساتھ ساتھ Revenue کے سارے معاملات بھی ختم کرنے ہوں گے جو نظامِ حکومت چلانے میں اختلال کا باعث ہوں گے۔

اگر **بغیر حساب** کا مطلب یہ لیا جائے کہ حساب کتاب ہی نہ رکھا جائے تو خود احکامِ خداوندی میں تضاد پیدا ہو جاتا ہے کیونکہ اسلامی تعلیمات میں حساب کتاب کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ نیکیوں اور برائیوں کا Record کراماً کاتبین کے ذریعے اعمالِ صالحہ اور اعمالِ سوء میں جزا و سزا کا حساب کتاب اور سب سے بڑھ کر یوم الحساب کا انعقاد حساب کتاب رکھنے کے دلائل ہیں۔ عملی زندگی میں مثال کے طور پر زکوٰۃ کو لیں تو اس کا تو سارے کا سارا انظام حساب و کتاب پر ہی مشتمل ہے اس طرح ان دلائل سے مختلف شعبوں میں تحدیدِ ملکیت کا عنصر ثابت ہوتا ہے۔

"**بغیر حساب**" کا ایک اور مطلب یہ بھی ہے کہ اللہ بندے کے ساتھ کوئی حساب و کتاب کا معاملہ نہیں کرتا یا اللہ بندے کو جتنا بھی عطا کر دے اس کا بدلہ نہیں مانگتا۔ اللہ پر دینے میں کوئی قدغن نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ State کو کوئی حق ہی نہیں ہے کہ وہ حساب و کتاب رکھے۔ جب دینے میں کوئی قدغن نہیں تو مفہوم مخالف کی رو سے لینے پر بھی کوئی قدغن نہیں۔ اس میں Nationalization کا تصور ہے۔ یعنی جو دے سکتا ہے وہ Nationalize بھی کر سکتا ہے۔ آیتِ کریمہ کا پہلا حصہ بھی اسی مفہوم کی طرف اشارہ کرتا ہے:

تُؤْتِي الْمُلْکَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ.(۱)

''اللہ جسے چاہتا ہے ملک دے دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے واپس لے بھی لیتا

(۱) آل عمران، ۳: ۲۶

ہے، جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے عزت چھین کر ذلت دے دیتا ہے۔‘‘

آیت کے اس حصہ کی رو سے جب دے سکتا ہے تو واپس بھی لے سکتا ہے۔ یہی حال رزق اور مال و دولت کا ہے کہ جب اللہ دے سکتا ہے تو واپس بھی لے سکتا ہے۔ واپسی کا کام اللہ کے منشاء کی تکمیل کے لیے State کر سکتی ہے، اسی طرح اگر اللہ پر دینے میں کوئی قدغن نہیں تو اسلامی اسٹیٹ پر اس کے منشاء کی تکمیل کے لئے واپس لینے میں بھی کوئی قدغن نہیں ہے۔ State کا مال واپس لینا تحدید ہی کی صورت ہے۔ اس طرح تحدیدِ ملکیت جائز ہے۔

دلیل نمبر ۶

وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِیْ مَآ اٰتٰـكُمْ ؕ اِنَّ رَبَّكَ سَرِیْعُ الْعِقَابِ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ○ (۱)

’’اور وہی ہے جس نے تم کو زمین میں نائب بنایا اور تم میں سے بعض کو بعض پر درجات میں بلند کیا تاکہ وہ ان (چیزوں) میں تمہیں آزمائے جو اس نے تمہیں (امانتاً) عطا کر رکھی ہیں۔ بیشک آپ کا رب (عذاب کے حقداروں کو) جلد سزا دینے والا ہے اور بیشک وہ (مغفرت کے امیدواروں کو) بڑا بخشنے والا اور بے حد رحم فرمانے والا ہے○‘‘

اِستدلال

اس آیت میں ﴿وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ﴾ (اور تم میں سے بعض کو

(۱) الانعام، ۶: ۱۶۵

بعض پر درجات میں بلند کیا) کے الفاظ اس بات کو ثابت کر رہے ہیں کہ اللہ نے ہی مال و اختیارات میں بعض کو بعض پر فضیلت دی یعنی بعض کو بے حد و حساب رزق دیا اور بعض کو کم۔ یہ تقسیم مِنْ جَانبِ اللہ ہے۔ اس لئے اس تقسیم میں ردو بدل کرنا کسی کے لئے جائز نہیں ہے۔ اس تقسیم میں اگر اس نے کسی کو بے حد و حساب رزق عطا کر دیا ہے تو State کو اس پر حد عائد کرنے کا کیا حق ہے؟ لہٰذا تحدیدِ ملکیت کی نفی اس آیتِ کریمہ سے بھی ثابت ہے۔

ردّ / جواب

تحدیدِ ملکیت کے منافی نقطہ نظر رکھنے والے کا سوال ہے کہ State کو کیا حق ہے کہ اللہ کی تقسیم اور عطا میں حد مقرر کرے؟ اس کا جواب بھی اسی آیت میں موجود ہے۔ آیت میں موجود الفاظ ﴿لِيَبْلُوَكُمْ فِيمَا اٰتٰكُمْ﴾ (تاکہ جو کچھ تمہیں دیا اس میں تمہیں آزمائے) نے State کو یہ حق دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ مال دے کر آزماتا ہے کہ جو مال اس بندے کو دیا گیا ہے کیا وہ اس مال کے حقوق ادا کر رہا ہے؟ اگر مال کے حقوق کی ادائیگی میں پورا نہیں اتر رہا تو State کی ذمہ داری ہے کہ وہ مال واپس لے لے۔ جب دولت کا صحیح مقصد پورا نہ ہو رہا ہو یا دوسروں کی حق تلفی ہو رہی ہو اور ضرر کا احتمال واضح ہو رہا ہو تو State کو اختیار ہے کہ وہ Limitations عائد کرے کیونکہ یہ حکم لِيَبْلُوَكُمْ فِيمَآ اٰتٰكُمْ کے تحت آتا ہے اور یہی تحدیدِ ملکیت ہے۔

دلیل نمبر ۷

وَاللهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ.[۱]

’’اور اللہ نے تم میں سے بعض پر رزق (کے درجات) میں فضیلت دی ہے۔‘‘

(۱) النحل، ۱۶: ۷۱

اِستدلال

اس آیتِ کریمہ میں اللہ رب العزت نے واضح اعلان فرما دیا ہے کہ اس نے بعض لوگوں کو رزق کے معاملہ میں بعض پر فضیلت عطا کی ہے۔ اس فضیلت و افضلیت میں کسی دوسرے شخص یا State کو کوئی اختیار حاصل نہیں کہ وہ خدا کے دیئے ہوئے مال میں تحدید کا قانون لاگو کرے۔

ردّ / جواب

مذکورہ بالا آیتِ مبارکہ کو تحدیدِ ملکیت کے منافی نظریہ میں بطور دلیل پیش کرنے والے اس آیت کو مکمل طور پر بیان نہیں کرتے۔ ذیل میں مکمل آیت اور اس کا ترجمہ ذکر کیا جاتا ہے تا کہ مسئلہ کا صحیح ادراک ممکن ہو سکے۔

وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِى الرِّزْقِ ۚ فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّىْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ ؕ اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ○(۱)

’’اور اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق (کے درجات) میں فضیلت دی ہے (تاکہ وہ تمہیں حکمِ انفاق کے ذریعے آزمائے)، مگر جن لوگوں کو فضیلت دی گئی ہے وہ اپنی دولت (کے کچھ حصہ کو بھی) اپنے زیرِ دست لوگوں پر نہیں لوٹاتے (یعنی خرچ نہیں کرتے) حالانکہ وہ سب اس میں (بنیادی ضروریات کی حد تک) برابر ہیں، تو کیا وہ اللہ کی نعمتوں کا انکار کرتے ہیں○‘‘

اس آیت میں واضح حکم ہے کہ صاحبِ ثروت لوگ اپنی دولت کو اپنے زیرِ دست اور خستہ حال لوگوں کو لوٹا دیں۔ آیت میں ’’رآدّی (لوٹانا)‘‘ کا لفظ اس بات پر

(۱) النحل، ۱۶: ۷۱

دلالت کرتا ہے کہ یہ مال غریبوں کا حق ہے اگر یہ لوگ ان کا حق اپنی مرضی سے نہیں دیتے تو حکومت کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ ان لوگوں سے غریبوں کا حق وصول کر کے ان تک پہنچائے۔

دلیل نمبر ۸

اَهُمۡ يَقۡسِمُوۡنَ رَحۡمَتَ رَبِّكَ ؕ نَحۡنُ قَسَمۡنَا بَيۡنَهُمۡ مَّعِيۡشَتَهُمۡ فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وَرَفَعۡنَا بَعۡضَهُمۡ فَوۡقَ بَعۡضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعۡضُهُمۡ بَعۡضًا سُخۡرِيًّا ؕ وَرَحۡمَتُ رَبِّكَ خَيۡرٌ مِّمَّا يَجۡمَعُوۡنَ ۝ (۱)

’’کیا یہ لوگ آپ کے رب کی رحمتِ (خاصہ یعنی نبوت) کو تقسیم کرنا چاہتے ہیں۔ دنیاوی زندگی میں (تو) ان کو روزی ہم (ہی) نے تقسیم کر رکھی ہے اور ہم نے ایک کو دوسرے پر رفعت دے رکھی ہے تاکہ ایک دوسرے سے کام لیتا رہے (اور عالم کا انتظام قائم رہے) اور آپ کے رب کی رحمت بدرجہا اس (دنیوی مال ومتاع) سے بہتر ہے جس کو یہ لوگ سمیٹتے پھرتے ہیں۝‘‘

اِستدلال

اس آیتِ مبارکہ میں اللہ رب العزت نے دنیاوی زندگی کا ایک ایسا نظام بیان فرمایا ہے جس سے کسی کو بھی انکار نہیں ہوسکتا۔ وہ نظام کچھ یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیاوی زندگی کو گزارنے کے لئے روزی اور رزق کو تمام لوگوں میں تقسیم فرمایا۔ اس تقسیم میں اس نے بعض کو بعض پر فضیلت عطا فرمائی۔ پھر فضیلت عطا کرنے کی وجہ ان الفاظ میں بیان فرمائی کہ امیر لوگ غریب لوگوں سے خدمت اور کام لیں اور اس طرح یہ نظامِ زندگی چلتا رہے۔ اللہ تعالیٰ نے نظامِ زندگی کو قائم رکھنے کے لیے روزی کی تقسیم کو بھی اس طرح رکھا کہ بعض کو بعض پر فضیلت حاصل ہے۔ اب اگر تحدید کے نام پر اس تقسیم میں

(۱) الزخرف، ۴۳: ۳۲

بگاڑ پیدا کرنے کی کوشش کی جائے گی تو نظامِ زندگی درہم برہم ہو جائے گا۔ لہٰذا نظامِ زندگی کو برقرار رکھنے کے لیے تحدیدِ ملکیت ناجائز اور غلط ہے۔

ردّ / جواب

مذکورہ بالا نظریہ کے حامل افراد کو اس آیت کے صحیح مفہوم کو سمجھنے میں مغالطہ ہوا ہے۔ اس آیت کے جس لفظ کے ترجمہ میں مغالطہ ہوا ہے وہ ہے ’’سُخْرِیًّا‘‘ جس کا ترجمہ انہوں نے ’’خدمت لینا‘‘ کیا ہے۔ ذیل میں ہم اس لفظ کے حقیقی معانی و مفاہیم بیان کرتے ہیں تا کہ اس کا مطلب واضح ہو جائے۔

لفظ سخریا اپنی بناوٹ کے لحاظ سے ’’س۔ خ۔ ر‘‘ سے مشتق ہے۔ ثلاثی مجرد میں باب سَمِعَ یَسْمَعُ سے سَخِرَ یَسْخَرُ استعمال ہوتا ہے۔ یہ لفظ اپنی اسی بناوٹ سے سورۃ التوبہ کی درج ذیل آیت میں استعمال ہوا ہے:

اَلَّذِیْنَ یَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِیْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ فِی الصَّدَقٰتِ وَالَّذِیْنَ لَا یَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَیَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ ؕ سَخِرَ اللهُ مِنْهُمْ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ○(۱)

’’جو لوگ برضا و رغبت خیرات دینے والے مؤمنوں پر (ان کے) صدقات میں (ریاکاری و مجبوری کا) الزام لگاتے ہیں اور ان (نادار مسلمانوں) پر بھی (عیب لگاتے ہیں) جو اپنی محنت و مشقت کے سوا (کچھ زیادہ مقدور) نہیں پاتے سو یہ (ان کے جذبۂ انفاق کا بھی) مذاق اڑاتے ہیں، اللہ انہیں ان کے تمسخر کی سزا دے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے○‘‘

اس آیت میں ’یَسْخَرُوْنَ‘ مضارع اور ’’سَخِرَ‘‘ ماضی کا صیغہ استعمال ہوا ہے۔ سخر کا لغوی معنی ہے ’’مذاق اڑانا، تمسخر کرنا‘‘ وغیرہ۔ لسان العرب میں ہے:

(۱) التوبة، ۹: ۷۹

وبه سَخُرًا وسَخَرًا وَمَسْخَرًا وسُخُرًا وسُخْرَةً وسِخرِيًّا وسُخْرِيًّا وسُخْرِيَّةً: هزیءٰ به.[1]

''سخر سے ہی سَخُرًا، سَخَرًا، مَسْخَرًا، سُخُرًا، سُخْرَةً، سِخْرِيًّا، سُخْرِيًّا اور سُخْرِيَّةً (یہ تمام الفاظ) بنتے ہیں (جن کا مطلب ہے) مذاق اڑانا۔''

اس معنی میں یہ لفظ قرآن مجید کی درج ذیل آیات میں بھی استعمال ہوا ہے:

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝[2]

''اور بیشک آپ سے پہلے (بھی) رسولوں کے ساتھ مذاق کیا جاتا رہا۔ پھر ان میں سے مسخرہ پن کرنے والوں کو (حق کے) اسی (عذاب) نے آ گھیرا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے ۝''

اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ ؕ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝[3]

''جو لوگ برضا و رغبت خیرات دینے والے مومنوں پر (ان کے) صدقات میں (ریاکاری و مجبوری کا) الزام لگاتے ہیں اور ان (نادار مسلمانوں) پر بھی (عیب لگاتے ہیں) جو اپنی محنت و مشقت کے سوا (کچھ زیادہ مقدور) نہیں پاتے سو یہ (ان کے جذبۂ انفاق کا بھی) مذاق اڑاتے ہیں، اللہ انہیں ان کے تمسخر کی سزا دے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے ۝''

(۱) ابن منظور إفريقي، لسان العرب، ۴: ۳۵۲
(۲) الانعام، ۶: ۱۰
(۳) التوبة، ۹: ۷۹

وَ يَصْنَعُ الْفُلْكَ قف وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَاٌ مِّنْ قَوْمِهٖ سَخِرُوْا مِنْهُ ط قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ ○[۱]

’’اور نوح (علیہ السلام) کشتی بناتے رہے اور جب بھی ان کی قوم کے سردار اُن کے پاس سے گزرتے ان کا مذاق اڑاتے۔ نوح (علیہ السلام) (انہیں جواباً) کہتے: اگر (آج) تم ہم سے تمسخر کرتے ہو تو (کل) ہم بھی تم سے تمسخر کریں گے جیسے تم تمسخر کر رہے ہو○‘‘

زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا.[۲]

’’کافروں کے لئے دنیا کی زندگی خوب آراستہ کر دی گئی ہے اور وہ ایمان والوں سے تمسخر کرتے ہیں۔‘‘

بَلْ عَجِبْتَ وَيَسْخَرُوْنَ○[۳]

’’بلکہ آپ تعجب فرماتے ہیں اور وہ مذاق اڑاتے ہیں○‘‘

اب ذیل میں سِخْرِيًّا کی مثالیں پیش کی جاتی ہیں جس کا مطلب بھی تمسخر کرنا اور مذاق اڑانا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا حَتّٰى اَنْسَوْكُمْ ذِكْرِيْ وَكُنْتُمْ مِّنْهُمْ تَضْحَكُوْنَ○[۴]

’’تو تم ان کا تمسخر کیا کرتے تھے یہاں تک کہ انہوں نے تمہیں میری یاد بھی بھلا دی اور تم (صرف) ان کی تضحیک ہی کرتے رہتے تھے○‘‘

(۱) هود، ۱۱: ۳۸

(۲) البقرة، ۲: ۲۱۲

(۳) الصافات، ۳۷: ۱۲

(۴) المؤمنون، ۲۳: ۱۱۰

اَتَّخَذْنٰـهُمْ سِخْرِيًّا اَمْ زَاغَتْ عَنْهُمُ الْاَبْصَارُ ○[1]

’’کیا ہم ان کا (ناحق) مذاق اڑاتے تھے یا ہماری آنکھیں انہیں (پہچاننے) سے چوک گئی تھیں (یہ عمّار، خباب، صُہیب، بلال اور سلمان ﷺ جیسے فقراء اور درویش تھے)○‘‘

مذکورہ بالا بحث کو مدنظر رکھتے ہوئے زیرِ بحث آیت کا اگر درج ذیل ترجمہ کیا جائے تو آیت کا مفہوم واضح ہونے کے ساتھ ساتھ زیرِ بحث مسئلہ کا صحیح حل پیش کرنے میں مدد ملے گی۔ صحیح ترجمہ یہ ہوگا:

’’کیا آپ کے رب کی رحمتِ (نبوّت) کو یہ لوگ تقسیم کرتے ہیں؟ ہم اِن کے درمیان دنیوی زندگی میں ان کے (اسبابِ) معیشت کو تقسیم کرتے ہیں اور ہم ہی ان میں سے بعض کو بعض پر (وسائل و دولت میں) درجات کی فوقیت دیتے ہیں (کیا ہم یہ اس لئے کرتے ہیں) کہ ان میں سے بعض (جو امیر ہیں) بعض (غریبوں) کا مذاق اڑائیں اور آپ کے رب کی رحمت اس (دولت) سے بہتر ہے جسے وہ جمع کرتے (اور گھمنڈ کرتے) ہیں○‘‘

اس ترجمہ کی رو سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ زیرِ بحث آیت کا مضمون تحدیدِ ملکیت کے منافی ہرگز نہیں ہے بلکہ تحدیدِ ملکیت کے حق میں ہے۔ اگر امراء اپنی دولت کے بل بوتے پر غریبوں کا مذاق اڑاتے ہیں تو اسلامی حکومت کو اختیار حاصل ہے کہ وہ ان سے ایسی دولت چھین لے جس پر وہ گھمنڈ کرتے ہیں اور غرباء کا مذاق اڑاتے ہیں۔

ایک اور تحقیق کے مطابق:

سخر سے بابِ تفضیل ’’سَخَّرَ يُسَخِّرُ تَسْخِيْرًا‘‘ بنتا ہے جس کا مطلب ہے

(۱) ص، ۳۸: ۶۳

www.MinhajBooks.com

''مسخر کرنا، تسخیر کرنا۔'' یہ لفظ اپنے معنی میں جبری محنت کو سموئے ہوئے ہے۔ لسان العرب میں ہے:

سَخَّرَ يُسَخِّرُ سُخْرِيًّا: كلّفه ما لا يريد وقهره.(۱)

''سَخَّرَ يُسَخِّرُ سُخْرِيًّا کا مطلب ہے کسی کو ایسے کام کا مکلّف بنانا اور ایسے کام پر مجبور کرنا جو وہ کرنا نہیں چاہتا۔''

اس معنی کی رو سے زیرِ بحث آیت کا مضمون کچھ یوں بنے گا کہ کیا ہم نے یہ تقسیم اس لیے کی کہ امیر غریبوں سے زبردستی خدمت (Forced Services) اور جبری محنت (Compelled Labour) لیں؟ ہمارا مقصد اس تقسیم کا یہ ہرگز نہیں تھا کہ غریبوں کا استحصال کیا جائے اور غربت کی وجہ سے ان کا مذاق اڑایا جائے۔ اگر امیر طبقہ غریبوں کا استحصال کرنے لگے تو حکومت کو چاہیے کہ وہ دخل اندازی کر کے غریب عوام کو ان کے حقوق دلوائے اور ان کی عزتِ نفس بحال کرے۔ اس مقصد کے لیے اس کو اگر تحدیدِ ملکیت کا اصول نافذ کرنا پڑے تو یہ قرینِ مصلحت اور جائز تصور ہوگا۔

بحث کا ماحاصل

مذکورہ بالا تمام آیات سے یہ بات نکھر کر سامنے آتی ہے کہ اسلامی معاشی تعلیمات کے تحت ''تحدیدِ ملکیت'' جائز ہے اور اسلامی مملکت حالات و واقعات کے تناظر میں تحدیدِ ملکیت کرنے کی مجاز ہے۔

www.MinhajBooks.com

(۱) ابن منظور، لسان العرب، ۴: ۳۵۳

باب سوُم

وَمِمَّا رَزَقۡنٰـهُمۡ يُنۡفِقُوۡنَ○

(البقرۃ،۲:۳)

اِنفاق فی المال

www.MinhajBooks.com

معنی اور حقیقتِ موضوع

عربی زبان کے لفظ ''انفاق'' کا لغوی معنی ''مال خرچ کرنا'' ہے۔ اصطلاحی معنی میں اسے ''انفاق فی سبیل اللہ'' اللہ کی راہ میں خرچ کرنا کہا جاتا ہے۔ اسلام نے مال خرچ کرنے کے ضمن میں واضح ہدایات دی ہیں۔ اسلام کے نقطہ نظر سے ''انفاق فی المال'' درحقیقت اپنے سرمایہ و دولت کو دوسروں پر اس طرح خرچ کرنا ہے کہ ان کا معاشی تعطل ختم ہو جائے، ان کی تخلیقی جدوجہد بحال ہو جائے اور وہ معاشرہ میں مطلوبہ کردار بحسن و خوبی سر انجام دے سکیں۔ چونکہ انفاق فی المال فعلِ احسان کی عملی شکل اور اساس ہے اس لئے یہ اپنی خیر خواہی، احتیاجات، عیش کوشی، ناموری یا تحسینات پر خرچ کرنے کا نام نہیں بلکہ یہ خرچ دوسروں کی زندگیوں سے معاشی بدحالی دور کرنے کے لئے ہوتا ہے۔ اس کی بہترین مثال ''مواخاتِ مدینہ'' ہے جو دینی و دنیاوی بھلائی، ترقی و خوشحالی، رواداری، معاشرتی و معاشی ترقی کا آئینہ دار ہونے کے ساتھ ساتھ فعلِ احسان کا عملی اظہار بھی ہے۔

قرآن مجید اور حدیثِ مبارکہ میں انفاق فی المال کا حکم

ہر انسان اپنے مقصدِ حیات میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی چاہتا ہے اس نصب العین کو حاصل کرنے کے لئے اسلام نے جہاں بے شمار ہدایات دی ہیں وہاں ''انفاق فی المال'' کا راستہ بھی دکھایا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ مال میں سے غرباء و مساکین، نادار، محتاج، معذور، ضرورت مند اور معاشی بدحالی کا شکار افراد پر خرچ کیا جائے چنانچہ زکوٰۃ اور دیگر واجبہ صدقات ادا کرنے کے بعد بھی معاشرے کے اصحابِ ثروت پر معیشت کے کمزور لوگوں پر خرچ کرنے کی ذمہ داری باقی رہتی ہے۔ اسلام کے معاشی نظام میں جہاں پیدائشِ دولت (Production of wealth) یعنی اکتسابِ مال کی ترغیب دلائی

ہے وہاں تقسیمِ دولت (Distribution of wealth) کی طرف بھی توجہ مبذول کرائی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید اور حدیثِ مبارکہ میں انفاق فی المال کا صراحت کے ساتھ حکم موجود ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

۱۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ.(۱)

''اے ایمان والو! جو کچھ ہم نے تمہیں عطا کیا ہے اس میں سے (اللہ کی راہ میں) خرچ کرو۔''

۲۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَ مِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ.(۲)

''اے ایمان والو! ان پاکیزہ کمائیوں میں سے اور اس میں سے جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالا ہے (اللہ کی راہ میں) خرچ کیا کرو۔''

۳۔ وَ اَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ وَ اَحْسِنُوْا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ○(۳)

''اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہی ہاتھوں خود کو ہلاکت میں نہ ڈالو، اور نیکی اختیار کرو، بیشک اللہ نیکوکاروں سے محبت فرماتا ہے○''

۴۔ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ط وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ○(۴)

(۱) البقرة، ۲: ۲۵۴

(۲) البقرة، ۲: ۲۶۷

(۳) البقرة، ۲: ۱۹۵

(۴) آل عمران، ۳: ۹۲

''تم ہرگز نیکی کو نہیں پہنچ سکو گے جب تک تم (اللہ کی راہ میں) اپنی محبوب چیزوں میں سے خرچ نہ کرو، اور تم جو کچھ بھی خرچ کرتے ہو بیشک اللہ اسے خوب جاننے والا ہےo''

۵۔ وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّهٖ.(۱)

''اور اللہ کی محبت میں (اپنا) مال خرچ کرے۔''

۶۔ وَ مِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ یُّؤْمِنُ بِاللهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَ یَتَّخِذُ مَا یُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ ط اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ط سَیُدْخِلُهُمُ اللهُ فِیْ رَحْمَتِهٖ ط اِنَّ اللهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌo(۲)

''اور بادیہ نشینوں میں (ہی) وہ شخص (بھی) ہے جو اللہ پر اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے اور جو کچھ (راہ خدا میں) خرچ کرتا ہے اسے اللہ کے حضور تقرب اور رسول (ﷺ) کی (رحمت بھری) دعائیں لینے کا ذریعہ سمجھتا ہے، سن لو، بیشک وہ ان کے لئے باعث قربِ الٰہی ہے، جلد ہی اللہ انہیں اپنی رحمت میں داخل فرما دے گا۔ بیشک اللہ بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہےo''

انفاق فی المال کی اہمیت سمجھنے اور اس عملِ صالح کو اپنانے والوں کے شرف و منزلت اور ان کے لئے اجر و ثواب کا ذکر کرتے ہوئے قرآن مجید میں اللہ ﷻ فرماتا ہے:

۷۔ مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِیْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ط وَ اللهُ یُضٰعِفُ لِمَنْ یَّشَآءُ.(۳)

''جو لوگ اللہ کی راہ میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں ان کی مثال (اس) دانے

(۱) البقرة، ۲:۱۷۷

(۲) التوبة، ۹:۹۹

(۳) البقرة، ۲:۲۶۱

کی سی ہے جس سے سات بالیاں اگیں (اور پھر) ہر بالی میں سو دانے ہوں (یعنی سات سو گنا اجر پاتے ہیں) اور اللہ جس کے لئے چاہتا ہے (اس سے بھی) اضافہ فرما دیتا ہے۔‘‘

۸۔ اَلَمْ یَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللهَ هُوَ یَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَیَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ.(۱)

’’کیا وہ نہیں جانتے کہ بیشک اللہ ہی تو اپنے بندوں سے (ان کی) توبہ قبول فرماتا ہے اور صدقات (یعنی زکوٰۃ و خیرات اپنے دستِ قدرت سے) وصول فرماتا ہے۔‘‘

۹۔ اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّیْلِ وَ النَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِیَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ج وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَo(۲)

’’جو لوگ (اللہ کی راہ میں) شب و روز اپنے مال پوشیدہ اور ظاہر خرچ کرتے ہیں تو ان کے لئے ان کے رب کے پاس ان کا اجر ہے اور (روزِ قیامت) ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گےo‘‘

۱۰۔ الٓمّٓo ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ ج فِیْهِ ج هُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَo الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَo(۳)

’’الٓمّٓo (یہ) وہ عظیم کتاب ہے جس میں کسی شک کی گنجائش نہیں، (یہ) پرہیزگاروں کے لئے ہدایت ہےo جو غیب پر ایمان لاتے اور نماز کو (تمام حقوق کے ساتھ) قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں عطا کیا ہے اس میں سے (ہماری راہ) میں خرچ کرتے ہیںo‘‘

(۱) التوبۃ، ۹: ۱۰۴
(۲) البقرۃ، ۲: ۲۷۴
(۳) البقرۃ، ۲: ۱۔۳

۱۱۔ اَلَّذِیۡنَ یُقِیۡمُوۡنَ الصَّلٰوۃَ وَ مِمَّا رَزَقۡنٰھُمۡ یُنۡفِقُوۡنَ ○ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ حَقًّا ؕ لَھُمۡ دَرَجٰتٌ عِنۡدَ رَبِّھِمۡ وَمَغۡفِرَۃٌ وَّرِزۡقٌ کَرِیۡمٌ○(۱)

’’(یہ) وہ لوگ ہیں جو نماز قائم رکھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں عطا کیا ہے اس میں سے (اس کی راہ میں) خرچ کرتے رہتے ہیںo (حقیقت میں) یہی لوگ سچے مومن ہیں، ان کے لئے ان کے رب کی بارگاہ میں (بڑے) درجات ہیں اور مغفرت اور بلند درجہ رزق ہےo‘‘

۱۲۔ اَلَّذِیۡنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتۡ قُلُوۡبُھُمۡ وَالصّٰبِرِیۡنَ عَلٰی مَآ اَصَابَھُمۡ وَالۡمُقِیۡمِی الصَّلٰوۃِ وَ مِمَّا رَزَقۡنٰـھُمۡ یُنۡفِقُوۡنَ○(۲)

’’(یہ) وہ لوگ ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے (تو) ان کے دل ڈرنے لگتے ہیں اور جو مصیبتیں انہیں پہنچتی ہیں ان پر صبر کرتے ہیں اور نماز قائم رکھنے والے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں عطا فرمایا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیںo‘‘

۱۳۔ وَیُطۡعِمُوۡنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّہٖ مِسۡکِیۡنًا وَّیَتِیۡمًا وَّاَسِیۡرًا○(۳)

’’اور (اپنا) کھانا اللہ کی محبت میں (خود اس کی طلب و حاجت ہونے کے باوجود اِیثاراً) محتاج کو اور یتیم کو اور قیدی کو کھلا دیتے ہیںo‘‘

۱۴۔ اِنۡ تُبۡدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا ھِیَ ۚ وَاِنۡ تُخۡفُوۡھَا وَتُؤۡتُوۡھَا الۡفُقَرَآءَ فَھُوَ خَیۡرٌ لَّکُمۡ ؕ وَیُکَفِّرُ عَنۡکُمۡ مِّنۡ سَیِّاٰتِکُمۡ.(۴)

(۱) الانفال، ۸: ۳، ۴

(۲) الحج، ۲۲: ۳۵

(۳) الدھر، ۷۶: ۸

(۴) البقرۃ، ۲: ۲۷۱

’’اگر تم خیرات ظاہر کر کے دو تو یہ بھی اچھا ہے (اس سے دوسروں کو ترغیب ہو گی) اور اگر تم انہیں مخفی رکھو اور وہ محتاجوں کو پہنچا دو تو یہ تمہارے لئے (اور) بہتر ہے اور اللہ (اس خیرات کی وجہ سے) تمہارے کچھ گناہوں کو تم سے دور فرما دے گا۔‘‘

انفاق فی المال کی ترغیب دلاتے ہوئے حضور نبی اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

۱۔ عن أبي هريرة رضی الله عنه قال رسول الله ﷺ: إن الله قال لي: أنفق أنفق عليک وقال رسول الله ﷺ: يمين الله ملآی لا يغيضها سحاء الليل والنهار. أ رأيتم ما أنفق مذ خلق السماء والأرض فإنه لم يغض ما في يمينه.(۱)

’’حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: خرچ کر تجھ پر (بھی) خرچ کیا جائے گا اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا دایاں ہاتھ بھرا ہوا ہے اور دن رات کی فیاضی سے اس میں کمی واقع نہیں ہوتی۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اس نے آسمان و زمین کے پیدا کرنے سے کتنی فیاضی کی ہے لیکن اس کے دائیں ہاتھ میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔‘‘

۲۔ من أنفق زوجين في سبيل الله نودي من أبواب الجنة: يا عبد الله! هذا خير.(۲)

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، کتاب الزکاة، باب الحث علی النفقة وتبشير المنفق بالخلف، ۲: ۶۹۱، رقم: ۹۹۳

۲۔ بخاري، الصحيح، کتاب التفسير، باب قوله وکان عرشه علی الماء، ۴: ۱۷۲۴، رقم: ۴۴۰۷

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، کتاب الصوم، باب الريان للصائمين، ۲: ۶۷۱، رقم: ۱۷۹۸

''جس نے اللہ کے راستے میں دو مرتبہ خرچ کیا، اسے جنت کے دروازوں سے بلایا جائے گا کہ اے اللہ کے بندے! یہ دروازہ اچھا ہے۔''

۳۔ **لا حسد إلا علی اثنتین رجل آتاه الله الکتاب وقام به آناء اللیل ورجل أعطاه الله مالًا فهو یتصدق به آناء اللیل والنهار.** (۱)

''دو آدمیوں کے سوا اور کسی پر حسد کرنا جائز نہیں ایک وہ جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم دیا اور وہ اس کے ساتھ راتوں کو قیام کرتا ہے اور دوسرا وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے مال عطا فرمایا ہے اور وہ اس میں سے رات دن راہِ خدا میں خرچ کرتا رہتا ہے۔''

۴۔ **أفضل دینار ینفقه الرجل، دینار ینفقه علی عیاله ودینار ینفقه الرجل علی دابته في سبیل الله ودینار ینفقه علی أصحابه في سبیل الله.** (۲)

''افضل دینار جو آدمی خرچ کرتا ہے وہ ہے جو اپنے اہل و عیال پر خرچ کرتا ہے اور وہ دینار جس کو اللہ کے راستے میں اپنے جانور پر خرچ کرتا ہے اور وہ دینار جو اپنے ساتھیوں پر اللہ کے راستے میں خرچ کرتا ہے۔''

.... ۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الزکاة، باب من جمع الصدقة وأعمال البر، ۲: ۷۱۱، رقم: ۱۰۲۷

(۱) ۱۔ بخاري، الصحیح، کتاب فضائل القرآن، باب اغتباط صاحب القرآن، ۴: ۱۹۱۹، رقم: ۴۷۳۷

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۱۳۳، رقم: ۶۱۶۷

(۲) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الزکاة، باب فضل النفقة علی العیال والمملوك وإثم من ضیعهم أو حبس نفقتهم عنهم، ۲: ۶۹۱، رقم: ۹۹۴

۲۔ ابن ماجه، السنن، کتاب الجهاد، باب فضل النفقة في سبیل الله تعالی، ۲: ۹۲۲، رقم: ۲۷۶۰

۳۔ بخاري، الأدب المفرد: ۲۶۲، رقم: ۷۴۸

۵۔ كفى بالمرء إثمًا أن يحبس عمن يملک قوته.[1]

''کسی آدمی کے گناہ کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ جس کے خرچ کا وہ ذمہ دار ہے اس کا خرچ روک لے۔''

٦۔ على كل مسلم صدقة. فقالوا: يا نبي الله! فمن لم يجد قال: يعمل بيده فينفع نفسه ويتصدق.[2]

''ہر مسلمان کے لئے صدقہ کرنا لازمی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اگر کسی کے پاس کچھ نہ ہو؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اپنے ہاتھ سے کام کر کے خود کو بھی نفع پہنچانا چاہیے اور صدقہ بھی کرنا چاہیے۔''

۷۔ لا توعي فيوعي الله على ارضخي ما استطعت.[3]

''تو (اپنا مال) مٹکے میں بندھ کر کے نہ رکھنا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں لگا بندھا دینے لگے اپنی استطاعت کے مطابق لوگوں میں (مال) تقسیم کرو۔''

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الزكاة، باب فضل النفقة على العيال والمملوك وإثم من ضيعهم أو حبس نفقتهم عنهم، ۲: ٦۹۲، رقم: ۹۹٦
۲۔ ابن حبان، الصحيح، ۱۰: ۵۲، رقم: ۴۲۴۱
۳۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۸: ٦

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الزكاة، باب على كل مسلم صدقة فمن لم يجد فليعمل بالمعروف، ۲: ۵۲۴، رقم: ۱۳۷٦
۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الزكاة، باب بيان أن اسم الصدقة يقع على كل نوع من المعروف، ۲: ٦۹۹، رقم: ۱۰۰۸
۳۔ نسائي، السنن، كتاب الزكاة، باب صدقة العبد، ۵: ٦۴، رقم: ۲۵۳۸

(۳) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الزكاة، باب الصدقة فيما استطاع، ۲: ۵۲۰، رقم: ۱۳٦۷
۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ٦: ۱۳۹، رقم: ۲۵۱۲۵

۸۔ إن رسول الله ﷺ قال وهو على المنبر وذكر الصدقة والتعفف والمسألة: اليد العليا خير من اليد السفلى فاليد العليا هي المنفقة والسفلى هي السائلة.(۱)

''حضور نبی اکرم ﷺ منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور صدقہ، ہاتھ پھیلانے اور سوال کرنے کے بارے میں ذکر کرتے ہوئے فرمایا: اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے اوپر والا ہاتھ خرچ کرنے والا جبکہ نچلا ہاتھ مانگنے والا ہے۔''

۹۔ ما من يوم يصبح العباد فيه إلا ملكان ينزلان فيقول أحدهما اللّٰهم أعط منفقًا خلفًا ويقول الآخر: اللّٰهم أعط ممسكاً تلفًا.(۲)

''کوئی دن ایسا نہیں جاتا کہ جب بندے صبح کو اٹھتے ہیں تو دو فرشتے نہ اترتے ہوں۔ ایک فرشتہ تو یہ کہتا ہے کہ اے اللہ! خرچ کرنے والے کو بدلہ دیجئے اور دوسرا کہتا ہے کہ اے اللہ! ممسک اور بخیل کو نقصان سے دوچار کیجئے۔''

۱۰۔ سبعة يظلهم الله تعالى في ظله يوم لا ظل إلا ظله إمام عدل، وشاب نشأ في عبادة الله، ورجل قلبه معلق في المساجد، ورجلان تحابا

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الزكاة، باب لا صدقة إلا عن ظهر غنى، ۲: ۵۱۹، رقم: ۱۳۶۲

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الزكاة، باب بيان أن اليد العليا خير من اليد السفلى، ۲: ۷۱۷، رقم: ۱۰۳۳

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الزكاة، باب قول الله تعالى فأما من أعطى واتقى وصدق بالحسنى، ۲: ۵۲۲، رقم: ۱۳۷۴

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الزكاة، باب في المنفق والممسك، ۲: ۷۰۰، رقم: ۱۰۱۰

۳۔ نسائي، السنن الكبرى، ۵: ۳۷۵، رقم: ۹۱۷۸

في اللہ، اجتمعا علیه وتفرقا علیه، ورجل دعته امرأة ذات منصب وجمال. فقال: إني أخاف اللہ، ورجل تصدق بصدقة فأخفاها حتی لا تعلم شماله ما تنفق یمینه، ورجل ذکر اللہ خالیًا ففاضت عیناه. (۱)

’’سات طرح کے لوگوں کو اللہ تعالیٰ اس دن اپنے سایہ میں جگہ دے گا جس دن اس کے سائے کے سوا اور کوئی سایہ نہ ہوگا: (۱) انصاف پرور حاکم، (۲) وہ نوجوان جو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں پھلا پھولا، (۳) وہ شخص جس کا دل ہر وقت مسجد میں لگا رہتا ہے، (۴) دو ایسے شخص جو اللہ تعالیٰ کے لئے محبت رکھتے ہیں اور ان کے اجتماع اور جدائی کی بنیاد بھی یہی ہو، (۵) ایک ایسا شخص جسے خوبصورت اور باوجاہت عورت نے (برے ارادے سے) بلایا لیکن اس کا جواب یہ تھا کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں، (۶) وہ انسان جو صدقہ کرتا ہے اور اسے اس درجہ چھپاتا ہے کہ بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہیں ہوتی کہ داہنے ہاتھ نے کیا خرچ کیا، (۷) اور وہ شخص جو اللہ کو تنہائی میں یاد کرتا ہے اور اس کی آنکھیں بھر آتی ہیں۔‘‘

۱۱۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

یا عائشة! لا تردي المسکین ولو بشق تمرة یا عائشة! أحبي المساکین وقربیهم فإن اللہ یقربک یوم القیامة. (۲)

(۱) ۱۔ بخاري، الصحیح، کتاب الزکاة، باب الصدقة بالیمین، ۲: ۵۱۷، رقم: ۱۳۵۷

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الزکاة، باب فضل إخفاء الصدقة، ۲: ۷۱۵، رقم: ۱۰۳۱

۳۔ ترمذي، السنن، کتاب الزهد، باب ما جاء في الحب في اللہ، ۴: ۵۹۸، رقم: ۲۳۹۱

(۲) ۱۔ ترمذي، السنن، کتاب الزهد، باب ما جاء أن فقراء المهاجرین ـــــ

www.MinhajBooks.com

''اے عائشہ! کسی بھی محتاج اور ضرورت مند کو مایوس نہ کر خواہ کھجور کی گٹھلی ہی کیوں نہ دے سکو مزید یہ کہ غریب اور محتاج لوگوں سے محبت کیا کرو اور ان سے قربت حاصل کرو۔ بیشک (اس کے صلہ میں) اللہ تعالیٰ روزِ قیامت تمہیں اپنے قرب سے نوازیں گے۔''

حکمِ انفاق کی دو سطحیں

انفاقِ فی المال کا عمل دو سطحوں پر ہوسکتا ہے۔ انفرادی سطح پر اور اجتماعی سطح پر۔

انفرادی سطح سے مراد یہ ہے کہ افراد اپنے طور پر اپنے احباب و متعلقین اور حلقۂ اثر میں ''انفاق'' کو بطور دائمی عمل جاری کریں۔ جو شخص معاشی ابتلاء کا شکار ہو، ضروریاتِ زندگی سے محروم ہو یا اس کی زندگی ایسے تعطل کی نذر ہوگئی ہو کہ اس کی تخلیقی جدوجہد بحال نہ رہی ہو، ایسے ضرورت مند افراد کی مالی اعانت اس انداز سے کرنا کہ ان کی عزتِ نفس بھی مجروح نہ ہو، ان کی ضروریات بھی پوری ہوں اور وہ ہر وقت دوسروں کی اعانت کے منتظر نہ رہیں۔ بلکہ ان کی زندگی سے معاشی تعطل ختم کر کے ان کا اپنا تخلیقی عمل بحال کر دیا جائے تاکہ وہ معاشرے میں صحیح مقام اور مطلوبہ کردار سرانجام دینے کی پوزیشن میں ہوسکیں۔ اس سلسلے میں اپنے اعزہ و اقارب اور پڑوسیوں کے علاوہ سب سے زیادہ مستحق وہ لوگ ہیں جنہوں نے خود کو خدمتِ اسلام میں اس طرح وقف کر دیا ہو کہ ان کے پاس روزگارِ حیات کی خاطر فرصت ہی باقی نہ رہی ہو۔ ان سے مراد وہ مجاہدینِ اسلام ہیں جن کی زندگیاں اسلام کی علمی و فکری اور عملی و انقلابی خدمت میں محصور ہو چکی ہیں۔ یہی لوگ راہِ حق کے اسیر ہیں۔ اگر یہ لوگ معاشی تعطل کا شکار ہو گئے تو دینِ حق اور ملتِ اسلامیہ کے احیاء کی خاطر ہونے والی انقلابی کاوشیں معطل ہو جائیں گی۔ اِس امر کا حکم

------ يدخلون الجنة قبل أغنيائهم، ۴: ۵۷۷، رقم: ۲۳۵۲

۲۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۷: ۱۲، رقم: ۱۲۹۳۱

۳۔ منذري، الترغيب والترهيب، ۴: ۶۷، رقم: ۴۸۲۵

قرآن مجید میں اِس طرح آیا ہے:

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ط وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ ط وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ ط وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَo لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ ز يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ج تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ج لَا يَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ط وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌo اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ج وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَo(۱)

’’ان کو ہدایت دینا آپ کے ذمہ نہیں بلکہ اللہ ہی جسے چاہتا ہے ہدایت سے نوازتا ہے، اورتم جو مال بھی خرچ کرو سو وہ تمہارے اپنے فائدے میں ہے اور اللہ کی رضاجوئی کے سوا تمہارا خرچ کرنا مناسب ہی نہیں ہے، اورتم جو مال بھی خرچ کرو گے (اس کا اجر) تمہیں پورا پورا دیا جائے گا اورتم پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گاo (خیرات) ان فقراء کا حق ہے جو اللہ کی راہ میں (کسبِ معاش سے) روک دیئے گئے ہیں وہ (امورِ دین میں ہمہ وقت مشغول رہنے کے باعث) زمین میں چل پھر بھی نہیں سکتے ان کے (زُھداً) طمع سے باز رہنے کے باعث نادان (جو ان کے حال سے بے خبر ہے) انہیں مالدار سمجھے ہوئے ہے، تم انہیں ان کی صورت سے پہچان لو گے، وہ لوگوں سے بالکل سوال ہی نہیں کرتے کہ کہیں (مخلوق کے سامنے) گڑگڑانا نہ پڑے، اورتم جو مال بھی خرچ کرو تو بیشک اللہ اسے خوب جانتا ہےo جو لوگ (اللہ کی راہ میں) شب و روز اپنے مال

(۱) البقرة، ۲: ۲۷۲۔ ۲۷۴

پوشیدہ اور ظاہر خرچ کرتے ہیں تو ان کے لئے ان کے رب کے پاس ان کا اجر ہے اور (روزِ قیامت) ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گے ○‘‘

مذکورہ بالا تین آیات سے قبل بھی اِنفاق ہی کا حکم اور اس کے مسائل کا بیان چلا آ رہا ہے اور یہ تینوں آیات بھی اُسی حکم سے متعلق ہیں۔ لیکن غور فرمائیں کہ ان تین آیات میں بھی صراحت کے ساتھ پانچ مرتبہ اِنفاق کا حکم وارد ہوا ہے۔ اس سے اس کی اہمیت و افادیت از خود اُجاگر ہو جاتی ہے۔ لیکن حکمِ انفاق کے حوالے سے جو نمایاں اشارات ان آیات سے ماخوذ ہیں، وہ قابلِ غور ہیں۔ اُنہیں یہاں اختصار کے ساتھ درج کیا جاتا ہے:

۱۔ رہنمائی کے باوجود منزلِ مقصود ہر ایک کو نہیں ملتی۔ (ہدایت کا آخری مرحلہ منزلِ مقصود کو پالینا ہے)۔

۲۔ منزلِ مقصود اور نصب العین کے حصول میں کامیابی اللہ تعالیٰ صرف اُنہی لوگوں کو عطا کرتا ہے جو انفاق فی المال کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔

۳۔ انفاق کا فائدہ صاحبِ انفاق کو بھی پہنچتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اُسے اپنی منزل نصیب ہو جاتی ہے، جس کے لئے دوسرے عمر بھر ترستے رہتے ہیں۔

۴۔ انفاق کا عمل صرف رضائے اِلٰہی کے حصول کو نصب العین بنانے کی خاطر ہونا چاہیے۔ دیگر ممنوع اور مذموم مقاصد کے لئے نہیں۔

۵۔ عملِ انفاق اپنے اندر نتیجہ خیزی کی ضمانت رکھتا ہے۔ اس کا مطلوبہ صلہ میسر آ کر ہی رہتا ہے۔ صاحبِ انفاق کو نتائج و ثمرات کے لحاظ سے کبھی بھی مایوسی نہیں ہو سکتی۔

۶۔ انفاق کے سب سے زیادہ مستحق وہ لوگ ہیں جو دینِ حق کی راہ میں خود کو وقف و محصور کر چکے ہیں۔

۷۔ ہمہ وقت راہِ حق میں اس طرح کوشاں رہنا کہ کاروبارِ حیات کی فرصت بھی باقی

نہ رہے، اصحابِ صفّہ کی استثنائی سنت ہے اور شرعاً ممنوع نہیں۔

۸۔ اہلِ حق کسی کے سامنے دستِ سوال دراز نہ کریں۔ ان کی شخصیت بے نیازی اور استغناءِ نفس کی پیکرِ اتم ہونی چاہیے۔

۹۔ اہلِ ثروت کو مجاہدینِ حق کی مالی ضروریات کی کفالت اس انداز سے کرنی چاہیے کہ ان کی زندگی میں معاشی تعطل بھی پیدا نہ ہونے پائے اور ان کی عزتِ نفس بھی مجروح نہ ہو۔

۱۰۔ ذاتِ حق ہر حال میں کئے گئے اِنفاق سے باخبر ہوتی ہے اور اس پر اجر عطا کرتی ہے۔

۱۱۔ اہلِ انفاق دُنیا و آخرت میں ہر قسم کے خوف و غم سے محفوظ رہتے ہوئے اپنے نصب العین کو پا لیں گے۔

یہ عملِ انفاق کی انفرادی صورت تھی کہ مالدار افراد مستحق افراد کی کفالت کے لئے ذاتی سطح پر انفاق کریں۔ اس طرح ہر صاحبِ مال پر اس کی انفرادی حیثیت میں ''اِنفاق'' لازم ہے اور یہی ''فعلِ احسان'' ہے جس کے ذریعے وہ بارگہِ ایزدی میں نعمتِ رضا کا مستحق قرار پاتا ہے۔

اجتماعی سطح سے مراد یہ ہے کہ اجتماعی طور پر عملِ انفاق کو ایک ایسے نظام کے طور پر رائج کیا جائے کہ معاشرے کا کوئی فرد حاجتمندی میں مبتلا نہ رہے اور معاشرہ معاشی استحکام سے ہمکنار ہو کر قومی نصب العین کے حصول کے لئے اپنا کردار مؤثر طور پر ادا کر سکے۔ معاشرے کے حاجتمند افراد کی حاجتمندی کو دور کرنے کا اسلامی معاشی نظام میں بہترین حل موجود ہے اور وہ یہ ہے کہ ان کو صاحبِ ثروت لوگوں سے ان کا وہ حق دلایا جائے جو شریعت نے ان کے لئے مختص کیا ہوا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

۱۔ وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ۝ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۝(۱)

(۱) المعارج، ۷۰: ۲۴، ۲۵

’’اور وہ (ایثار کیش) لوگ جن کے اَموال میں حصہ مقرر ہے ○ مانگنے والے اور نہ مانگنے والے محتاج کا ○‘‘

۲۔ وَ فِیۡۤ اَمۡوَالِهِمۡ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَ الۡمَحۡرُوۡمِ ○[1]

’’اور اُن کے اموال میں سائل اور محروم (سب حاجتمندوں) کا حق مقرر تھا ○‘‘

اجتماعی سطح پر انفاق کا ایک طریقہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حاکمِ وقت امراء سے یا بیت المال سے مال لے کر فقراء میں تقسیم کرا دے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے غرباء و مساکین کے حصے مقرر کئے ہوتے تھے جو وہ بیت المال سے ادا کرتے تھے۔ ابو عبید بن سلام (م ۲۲۴ھ) لکھتے ہیں:

فکان عمر یعطي کل إنسان منهم کل سنة ثلاثة آلاف.[2]

’’حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہر سال (غرباء) میں سے ہر ایک کو تین ہزار (کی مقرر کردہ) رقم دیتے تھے۔‘‘

یہ اجتماعی سطح پر انفاق کی بہترین مثال ہے کسی بھی ملک کو معاشی لحاظ سے اپنی حالت کو بہتر بنانے کے لئے انفرادی اور اجتماعی دونوں سطحوں پر انفاق کے عمل کو جاری رکھنا ہوگا۔

اِنفاقِ واجبہ اور اِنفاقِ نافلہ میں اِمتیاز

فقہی اصطلاح کے مطابق وجوب اور عدم وجوب کے لحاظ سے اِنفاق کی دو قسمیں ہیں:

(۱) الذاریات، ۵۱: ۱۹

(۲) أبو عبید، کتاب الأموال: ۳۱۰، رقم: ۶۰۹

(۱) اِنفاقِ واجبہ

اِس میں زکوٰۃ، عُشر، صدقۂ فطر اور دیگر ایسے صدقات شامل ہیں جن کا ادا کرنا صاحبِ نصاب پر بہر حال فرض یا واجب ہوتا ہے۔

(۲) اِنفاقِ نافلہ

اِس میں صدقاتِ واجبہ کے علاوہ اِنفاق کی تمام صورتیں شامل ہیں لیکن ان میں سے کئی صورتوں کو مصلحتاً، ضرورتاً یا استحساناً واجب بھی قرار دیا جا سکتا ہے۔ یہ امر ذہن نشین رہنا چاہیے کہ فعلِ احسان کا اطلاق ''انفاقِ واجبہ'' پر نہیں بلکہ ''انفاقِ نافلہ'' پر ہوگا۔ ''انفاقِ واجبہ'' کی تمام صورتیں قرآن کے ''حکمِ عدل'' کے تحت شمار کی جائیں گی کیونکہ عدل کا مفہوم یہی ہے کہ جس قدر دینا لازم ہو اُسی قدر دیا جائے اور شرعاً واجب حصے کے علاوہ دینا ''احسان'' ہے۔ لہٰذا ہماری بحث ''انفاقِ نافلہ'' کے حکم سے ہے، اِنفاقِ واجبہ سے نہیں۔

نصابِ انفاق اور حدِ انفاق کا مسئلہ

یہاں اِس امر کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ ''نصابِ اِنفاق'' اور ''حدِ اِنفاق'' کا مسئلہ صرف ''انفاقِ واجبہ'' سے متعلق ہے مثلاً مقررہ نصاب سے کم جائیداد رکھنے والے پر ''زکوٰۃ'' فرض نہیں ہوتی اور دیگر صدقاتِ واجبہ کا معاملہ بھی اسی طرح ہے۔ حدِ انفاق بھی صدقاتِ واجبہ کے لئے مقرر ہے مثلاً زکوٰۃ میں اڑھائی فیصد، ''عشر'' میں دس یا بیس فیصد وغیرہ۔ جہاں تک اِنفاقِ نافلہ کا تعلق ہے اِس کا اُصول نصاب اور حد کے تعینات سے ماوراء ہے۔ اِس کے لئے نہ کم سے کم نصاب متعین ہے اور نہ زیادہ سے زیادہ حد، کیونکہ یہ ''اِنفاق'' احسان ہے اور ''انفاقِ واجبہ'' عدل۔ ''عدل'' معینہ اور مقررہ حد کے مطابق دینے کا نام ہے جبکہ ''احسان'' ایسا فعل ہے جو حدود و قیود سے بلند و بالا ہوتا ہے، احسان میں چونکہ محسن کے پیشِ نظر اپنی ذات اور مادی منفعت نہیں ہوتی، اس لئے اس میں کوئی

’’نصاب‘‘ نہیں ہوتا۔ مزید برآں احسان میں چونکہ دوسرے شخص کے استحقاق کا قانونی تعین نہیں ہوتا، اس لئے اس پر کوئی حد نہیں ہوتی۔ یہ انفاق، جو فعلِ احسان کی عملی صورت ہے، رضائے اِلٰہی کے نصب العین کی خاطر ہر ایک پر لازم ہے، خواہ غریب ہو یا امیر، صاحبِ نصاب ہو یا غیر صاحبِ نصاب، تھوڑا دے سکے یا زیادہ، جو کچھ بھی اُسے میسر ہو۔ اُسی میں حسبِ استطاعت اِنفاق کرنا ’’احسان‘‘ ہے۔ اس پر یہ شرط نہیں ہے کہ کتنے میں سے دے؟ یہ بات دینے والے کے اپنے ظرف، غنائے نفس اور اُس کے ذاتی حالات پر منحصر ہے۔

اِنفاق اصلاً نصاب سے ماوراء ہے

۱۔ قرآن مجید میں ارشاد فرمایا گیا:

وَمِمَّا رَزَقْنٰـهُمْ يُنْفِقُوْنَ ○[۱]

’’اور جو کچھ ہم نے اُنہیں عطا کیا ہے اُس میں سے (ہماری راہ میں) خرچ کرتے ہیں○‘‘

یہاں ’’مَا‘‘ کلمۂ عام ہے جو نصاب کی شرط سے پاک ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ جو کچھ بھی خزانۂ قدرت سے نصیب ہوا ہو اُسی میں سے راہِ خدا میں خرچ کیا جائے۔

۲۔ ایک اور مقام پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰـكُمْ.[۲]

’’اے ایمان والو! جو کچھ ہم نے تمہیں عطا کیا ہے اس میں سے (اللہ کی راہ میں) خرچ کرو۔‘‘

---

(۱) البقرة، ۲: ۳

(۲) البقرة، ۲: ۲۵۴

۳۔ یہی حکم ایک اور مقام پر بھی دیا گیا ہے:

وَ اَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَآ اَخَّرْتَنِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ○ (۱)

’’اور تم اس (مال) میں سے جو ہم نے تمہیں عطا کیا ہے (اللہ کی راہ میں) خرچ کرو قبل اِس کے کہ تم میں سے کسی کو موت آ جائے پھر وہ کہنے لگے: اے میرے رب! تو نے مجھے تھوڑی مدت تک کی مہلت اور کیوں نہ دے دی کہ میں صدقہ و خیرات کر لیتا اور نیکوکاروں میں سے ہو جاتا○‘‘

اِس آیت میں ایک تو یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ اِنفاق کے لئے ڈھیروں مال کا ہونا ضروری نہیں جو کچھ بھی میسر ہو اُسی میں سے خرچ کیا جانا چاہیے۔ اسی کا نام ’’احسان‘‘ ہے۔ دوسری یہ بات واضح کی گئی ہے کہ خدا کے مقربین و صالحین میں شامل ہونے کی بھی یہی صورت ہے کہ اِنفاق فی المال کے عمل کو اپنایا جائے۔

۴۔ ایک اور مقام پر مذکور ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ. (۲)

’’اے ایمان والو! ان پاکیزہ کمائیوں میں سے اور اس میں سے جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالا ہے (اللہ کی راہ میں) خرچ کیا کرو۔‘‘

مذکورہ بالا آیات سے یہ امر واضح ہو گیا کہ فعلِ احسان کے طور پر کئے جانے والے اِنفاق میں کوئی نصاب شرط نہیں ہے۔ جتنا کچھ پاس ہو اُسی میں دوسروں کو بھی شریک کر لیا جائے۔

(۱) المنافقون، ۶۳: ۱۰

(۲) البقرۃ، ۲: ۲۶۷

انفاق اصلاً تحدید سے ماوراء ہے

انفاق میں جس طرح نصاب کی شرط نہیں تھی، اُسی طرح اُس کی کوئی حد و انتہا بھی متعین نہیں ہے۔

۱۔ قرآن مجید میں ارشاد فرمایا گیا:

وَيَسْئَلُوْنَکَ مَاذَا يُنفِقُوْنَ ط قُلِ الْعَفْوَ ط کَذٰلِکَ يُبَيِّنُ اللهُ لَکُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّکُمْ تَتَفَکَّرُوْنَo(۱)

’’اور آپ سے یہ بھی پوچھتے ہیں کہ کیا کچھ خرچ کریں؟ فرما دیں جو ضرورت سے زائد ہے (خرچ کر دو)، اسی طرح اﷲ تمہارے لئے (اپنے) احکام کھول کر بیان فرماتا ہے تاکہ تم غور وفکر کروo‘‘

اِس آیت کے ذریعے حدِ اِنفاق کے مسئلے کو بھی حل کر دیا گیا کہ اِنفاق کی کوئی آخری حد نہیں ہے، جو کچھ تمہاری ضرورتوں سے زائد ہو وہ دوسروں پر خرچ کر دو تاکہ اس سے وہ اپنی ضرورتیں پوری کر سکیں۔ اِس آیت نے یہ فلسفۂ حیات بیان کیا کہ یہ ہرگز جائز نہیں کہ جس معاشرے میں کئی لوگ ضروریاتِ زندگی سے محروم ہوں یا غربت و افلاس کے باعث باعزت زندگی سے محروم کر دیئے گئے ہوں، اُسی معاشرے کے کچھ لوگ اپنی ضروریات سے بچی ہوئی دولت اپنی تحسینات و تزئینات اور تعیّشات پر خرچ کرنے لگیں اور بالآخر غربت و امارت کی بناء پر ایک ہی معاشرے میں طبقاتی تقسیم کی بنیاد فراہم ہو جائے۔ اِسی لئے فرمایا گیا:

لَعَلَّکُمْ تَتَفَکَّرُوْنَo

’’اس حکم میں تمہارے لئے غور وفکر کا بہت سارا سامان موجود ہےo‘‘

(۱) البقرۃ، ۲: ۲۱۹

آیت کے الفاظ پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ ایسے احکام کو محض ''نفلی'' اور ''مستحب'' اعمال سمجھ کر نظر انداز نہ کئے رکھو بلکہ اِس میں غور و فکر کرو اور ان کی بنیاد پر اپنے معاشرے کی معاشی زندگی کا ڈھانچہ تعمیر کرو۔ گویا آیت کے آخری الفاظ سابقہ حکم یعنی قُلِ الْعَفْو کی نسبت دعوتِ فکر و عمل دے رہے ہیں۔

۲۔ اسی سورہ میں ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا گیا:

يَسْئَلُوْنَکَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ط قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَ الْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰی وَالْمَسٰکِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ط وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللهَ بِهٖ عَلِيْمٌo(۱)

''آپ سے پوچھتے ہیں کہ (اللہ کی راہ میں) کیا خرچ کریں، فرما دیں جس قدر بھی مال خرچ کرو (درست ہے)، مگر اس کے حقدار تمہارے ماں باپ ہیں اور قریبی رشتہ دار ہیں اور یتیم ہیں اور محتاج ہیں اور مسافر ہیں، اور جو نیکی بھی تم کرتے ہو بیشک اللہ اسے خوب جاننے والا ہےo''

یہاں حکمِ انفاق کو اور زیادہ وسعت دے دی گئی ہے۔ پہلے یہ کہا گیا تھا کہ جو کچھ بھی ضرورت سے زائد ہو، مستحق لوگوں کے معاشی تعطّل کو رفع کرنے پر خرچ کر دو۔ یہاں یہ شرط بھی مرتفع کر دی گئی کہ ''ضرورت سے بچ رہے تو خرچ کرو۔'' نہیں نہیں، اگر کوئی غنائے صدیقی کا حامل ہے اور اپنی ضرورت بھی دوسروں پر خرچ کر دینا چاہتا ہے تو اس پر بھی کوئی پابندی نہیں، جو کچھ خرچ کرو گے، نیکی ہو گی اور نیکی کے بارے میں پوچھا نہیں جاتا۔ بس خدا کی ذات تمہارے اِنفاق سے باخبر ہے۔ یہ حکم ہر ایک کے لئے نہیں ہے بلکہ صرف اُسی کے لئے ہے جو راہِ خدا میں سب کچھ لٹا کر بھی دل میں حزن و ملال محسوس نہیں کرتا اور مالی تنگی وقتی طور پر بھی اُسے پریشان نہیں کر سکتی۔ یہ حکم اس شخص کے لئے ہے جسے توکل اور استغناء کا وہ بلند درجہ نصیب ہو چکا ہو کہ دوسروں کا فقر مٹانے کے

(۱) البقرة، ۲:۲۱۵

لئے اپنے اُوپر فقر بھی طاری کر لے تو اُس کے پایۂ استقلال اور عزم و ہمت میں کوئی فرق نہ آئے۔ یہ ایمان کا وہ کامل ترین درجہ ہے جس کا مظاہرہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے غزوہ تبوک کے موقع پر کیا تھا اور جس کا عملی مشاہدہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہلِ بیتِ نبوی کے گھروں میں ہوتا رہتا تھا۔

۱۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

خير الصدقة ما كان عن ظهر غنى. (۱)

”بہتر صدقہ وہی ہے جو ضرورت کے مطابق بچا کر کیا جائے یا غنائے نفس کے ساتھ کیا جائے۔“

”عن ظهر غنى“ کے الفاظ میں مذکورہ بالا دونوں صورتوں کو سمو دیا گیا ہے۔

۲۔ ایک اور مقام پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

يا ابن آدم إنك أن تبذل الفضل خير لك وأن تمسكه شر لك ولا تلام على كفاف وابدأ بمن تعول. (۲)

”اے ابن آدم! اگر تو ضرورت سے بچا ہوا خدا کی راہ میں خرچ کر دے تو یہ تیرے لئے بہتر ہے اور اگر تو اس کو بھی بچا کر رکھ لے تو یہ تیرے لئے نقصان

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب النفقات، باب وجوب النفقة على الأهل والعيال، ۵: ۲۰۴۸، رقم: ۵۰۴۱

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الزكاة، باب بيان أن اليد العليا خير من اليد السفلى، ۲: ۷۱۷، رقم: ۱۰۳۴

(۲) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الزكاة، باب بيان أن اليد العليا خير من اليد السفلى، ۲: ۷۱۸، رقم: ۱۰۳۶

۲۔ ترمذي، السنن، كتاب الزهد، باب ۳۲، ۴: ۵۷۳، رقم: ۲۳۴۳

دہ ہے۔ ہاں اِس قدر بچا کر رکھنے میں کوئی مضائقہ اور ملامت نہیں جو تیری ضرورت کے لئے کافی ہو اور انفاق کا آغاز ان لوگوں سے کر جن کی ذمہ داری تجھ پر عائد ہوتی ہے۔‘‘

۳۔ اسی سلسلے میں ایک اور حدیث ملاحظہ فرمایئے، جسے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:

كنا عند رسول الله ﷺ إذ جاء رجل بمثل بيضة من ذهب، فقال: يا رسول الله! أصبت هذه من معدن، فخذها فهي صدقة ما أملك غيرها، فأعرض عنه رسول الله ﷺ، ثم أتاه من قبل ركنه الأيمن فقال مثل ذلك، فأعرض عنه، ثم أتاه من قبل ركنه الأيسر، فأعرض عنه رسول الله ﷺ، ثم أتاه من خلفه، فأخذها رسول الله ﷺ فحذفه بها، فلو أصابته لأوجعته أو لعقرته، فقال رسول الله ﷺ: يأتي أحدكم بما يملك فيقول هذه صدقة، ثم يقعد يستكف النّاس، خير الصدقة ما كان عن ظهر غنى.(۱)

’’ایک مرتبہ ہم حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر تھے کہ ایک شخص انڈے کے برابر سونا لے کر آیا اور عرض کرنے لگا: یا رسول اللہ! مجھے یہ سونا ایک کان سے ملا ہے۔ اسے صدقہ کے لئے قبول فرما لیجئے۔ اس کے سوا میرے پاس

(۱) ۱۔ أبو داود، السنن، کتاب الزکاۃ، باب الرجل یخرج من ماله، ۲: ۱۲۸، رقم: ۱۶۷۳

۲۔ دارمي، السنن، ۱: ۴۷۹، رقم: ۱۶۵۹

۳۔ حاکم، المستدرك علی الصحیحین، ۱: ۵۷۳، رقم: ۱۵۰۷

۴۔ بیهقي، السنن الکبری، ۴: ۱۸۱، رقم: ۷۵۶۶

اور کچھ نہیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے چہرۂ انور دوسری طرف کر لیا۔ پھر وہ شخص دائیں جانب سے آ کر یہی عرض کرنے لگا۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے پھر اُس سے صرفِ نظر فرما لی۔ پھر وہ شخص آپ ﷺ کی بائیں جانب سے آیا اور یہی عرض کی۔ آپ ﷺ نے اس سے پھر صرفِ نظر فرما لی پھر وہ شخص آپ ﷺ کی پشت کی طرف سے آیا (یہاں تک کہ) آپ نے اُس سے سونا لے کر اُس کی طرف دے مارا پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص جو کچھ اُس کے پاس ہو لے کر آ جاتا ہے اور کہتا ہے اُسے صدقہ کر دیجئے۔ پھر خود بیٹھ کر لوگوں کے ہاتھ تکتا رہتا ہے (کہ کوئی اُسے دے گا تو اُس کی ضرورت پوری ہو گی) بہتر صدقہ وہی ہے جو حسبِ ضرورت بچا کر کیا جائے۔‘‘

اِس حدیث سے عوام الناس کو یہ ’’اُصولِ اِنفاق‘‘ مہیا کر دیا گیا کہ اِنفاق کے لئے کوئی حد مقرر نہیں۔ لیکن کم از کم اِس امر کا خیال رہنا چاہیے کہ اتنا کچھ ضرور بچا کر رکھ لیا جائے جس سے صاحبِ اِنفاق کی ذاتی اور عائلی ضروریات پوری ہوتی رہیں۔

اِس اُصولِ انفاق کی بہترین مثال حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے غزوۂ تبوک کے موقع پر فراہم کی۔ جب آپ رضی اللہ عنہ نے ’’نصف مال‘‘ گھر کے لئے رکھ لیا اور نصف صدقہ کر دیا۔‘‘ لیکن ایک نمونہ اُسی موقع پر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے فعلِ اِنفاق نے فراہم کیا کہ آپ نے سب کچھ صدقہ کر دیا اور کہا کہ ’’ہمارے لئے خدا اور خدا کا رسول ﷺ کافی ہیں۔‘‘ یہ مقامِ تفویض تھا جو احسان کا بلند ترین درجہ ہے۔ کوئی شخص غنائے قلب کے اس مقام پر فائز ہو تو اُس کے لئے اِنفاق اس حد تک بھی جائز ہے۔ لیکن اہل و عیال کا بھی اس درجے کا متوکل ہونا ضروری ہے تاکہ رضائے اِلٰہی کی خاطر کی گئی قربانی پر کسی کے دل میں رنج و ملال کا شائبہ تک پیدا نہ ہونے پائے۔

مذکورہ بالا حدیث پر غور فرمائیے۔ اس شخص کا صدقہ حضور نبی اکرم ﷺ نے قبول نہ فرمایا۔ اس کی وجہ صرف یہ نہ تھی کہ وہ سارے کا سارا مال پیش کر رہا تھا۔ اگر صرف

یہی وجہ ہوتی تو آپ ﷺ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا صدقہ قبول نہ فرماتے۔ اس کا صدقہ قبول نہ فرمانے کی اصل وجہ یہ تھی کہ وہ سارا مال صدقہ کرنے کی جرأت تو کر رہا تھا لیکن غنائے قلب اور توکل کے اس مقام پر فائز نہ تھا جس پر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فائز تھے، کیونکہ وہ مال صدقہ دیتے ہوئے کہہ رہا تھا: **مَا اَمْلِکُ غَیْرَهَا** (میرے پاس اس کے سوا کچھ نہیں) اس کے یہ الفاظ اس اَمر پر دلالت کر رہے تھے کہ یہ شخص سارا مال دے کر دل سے مطمئن نہیں۔ وہ ابھی تک مال و دولت سے اس قدر بے نیاز اور مستغنی نہیں ہوا جو اس حد تک اِنفاق کے لئے ضروری ہے اس لئے تو ساتھ ہی یہ سنا رہا ہے کہ ''میرے پاس اس کے سوا اور کچھ نہیں۔'' نگاہِ نبوت نے جان لیا کہ ''یہ سب کچھ لٹا کر خوش نہیں رہے گا بلکہ لالچ بھری نگاہوں سے دوسروں کو تکتا رہے گا۔'' اِس لیے اُسے فرمایا:

خذ الذي لک لا حاجة لنا به.(۱)

''اپنا مال واپس لے جا، ہمیں اس کی ضرورت نہیں۔''

انفاق میں غناءِ مال اور غناءِ نفس کا امتیاز

مذکورہ بالا بحث سے یہ امر طے ہوا کہ غناء کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ غناءِ مال

۲۔ غناءِ نفس

حضور نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشاد ''**خیر الصدقة ما کان عن ظهر غنی** (بہترین صدقہ وہ ہے جو غناء کے ساتھ کیا جائے)'' دونوں قسموں پر منطبق ہوتا ہے کیونکہ لوگ جو

(۱) ۱۔ دارمي، السنن، ۱: ۴۷۹، رقم: ۱۶۵۹

۲۔ أبو داود، السنن، کتاب الزکاة، باب الرجل یخرج من ماله، ۲: ۱۲۸، رقم: ۱۶۷۴

۳۔ بیهقي، السنن الکبری، ۴: ۱۸۱، رقم: ۷۵۲۶

احکامِ شریعت کے مکلّف ہوتے ہیں ان کی بھی دو اقسام ہیں: ''عوام'' اور ''خواص''۔

عوام کے لئے ''عن ظهر غنى'' کا وہی معنی ہے جو اُوپر بیان ہو چکا ہے اور جس کی تصریح حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے مروی اس حدیث سے ہو چکی ہے کہ ''بہتر صدقہ وہ ہے جس کے پیچھے غناء ہو۔'' یعنی صدقے کے باوجود پیچھے اس قدر مال موجود ہو جو اس کی ضروریات کے لئے کافی رہے اور اس شخص کو مالی پریشانی سے بے نیاز رکھے۔ یہ حکم غناءِ مال کے مفہوم پر دلالت کرتا ہے اور اس کے مکلّف عوام ہے۔

خواص کے لئے ''عن ظهر غنى'' کا معنی وہ ہے جس کی تصریح عملِ صدیقی سے ہوتی ہے۔ اس اعتبار سے مفہومِ حدیث یہ ہوا کہ ''بہتر صدقہ وہ ہے جس کے پیچھے غنائے نفس ہو۔'' یعنی دل اس قدر متوکل اور دولتِ غناء سے بہرہ یاب ہو کہ سب کچھ خدا کی راہ میں لٹا کر بھی بوجھ محسوس نہ کرے اور یہ گمان تک ذہن میں پیدا نہ ہونے پائے کہ ''اب ضروریات کہاں سے پوری ہوں گی؟'' اس مفہوم کی تائید بھی خود حضور نبی اکرم ﷺ کے اس حکم سے ہوتی ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا:

لیس الغنى عن كثرة العرض ولكن الغنى غنى النفس.(۱)

''غناء کثرتِ مال سے نہیں بلکہ غناءِ نفس سے حاصل ہوتا ہے۔''

اِس حکم کے مکلّف خواص ہیں ...... حکم ایک ہی ہے لیکن اس کی تعبیریں اور

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الرقاق، باب فلهذا غنى النفس وقال الله تعالى أ يحسبون أن ما نمدهم به من مال وبنين، ۵: ۲۳۶۸، رقم: ۶۰۸۱

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الزكاة، باب ليس فلهذا عن كثرة العرض، ۲: ۷۲۶، رقم: ۱۰۵۱

۳۔ ترمذي، السنن، كتاب الزهد، باب ما جاء أن فلهذا غنى النفس، ۴: ۵۸۶، رقم: ۲۳۷۳

۴۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۳۸۹، رقم: ۹۰۵۰

اطلاقات مختلف ہیں۔

عوام کو صرف ضرورت سے زائد خرچ کرنے کی اجازت ہے۔ لہٰذا وہ ''قُلِ الْعَفْوَ'' کے مصداق ہیں۔ ان کے لئے غناء سے مراد غناءِ مال ہے اور خواص کو سب کچھ راہِ خدا میں لٹا دینے کی بھی اجازت ہے۔ لہٰذا وہ ''مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ'' کے مصداق ہیں۔ ان کے لئے غناء سے مراد ''غناءِ نفس'' ہے۔ صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ غناءِ نفس سے بہرور تھے۔ اس لئے ان کا سارا سرمایہ و دولت بطور صدقہ قبول کر لیا گیا۔ دوسرا شخص غناءِ نفس سے بہرہ ور نہ تھا۔ اس کو غناءِ مال کی ضرورت تھی۔ اس لئے اس کا سارا مال بطور صدقہ قبول نہ کیا گیا۔

ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے گریبانوں میں جھانک کر فیصلہ کریں کہ خواص تو درکنار، کیا ہم انفاق کے معاملے میں عوام کے معیارِ ایمان پر بھی پورے اترتے ہیں یا نہیں؟

انفاق فی المال کی مختلف جہات

مذکورۃ الصدر ضروری توضیحات کے بعد اب ہم ''انفاق فی المال' کا جائزہ حصولِ نصب العین کے لائحہ عمل کے طور پر لیتے ہیں۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ ''رضائے الٰہی کے حصول'' کا طریق فعلِ احسان ہے اور حقیقت یہ ہے کہ احسانِ کامل ''انفاق فی المال'' کے بغیر ممکن نہیں اس سلسلے میں قرآنِ حکیم کا فیصلہ ملاحظہ فرمائیں۔ ارشادِ ربانی ہے:

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ؕ وَاللهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝(۱)

''یہ وہ لوگ ہیں جو فراخی اور تنگی (دونوں حالتوں) میں خرچ کرتے ہیں اور غصہ ضبط کرنے والے ہیں اور لوگوں سے (ان کی غلطیوں پر) درگزر کرنے والے ہیں، اور اللہ احسان کرنے والوں سے محبت فرماتا ہے ۝''

(۱) آل عمران، ۳: ۱۳۴

اس آیت میں اصل بیان ''انفاق فی المال'' کرنے والوں کا ہو رہا ہے اور انہی کی دو خصوصیات مزید بیان کی گئی ہیں۔ ایک غصہ پینا، دوسری لوگوں کو معاف کرنا۔ حقیقت میں ان دو صفات کا تعلق بھی ''اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ'' (یعنی انفاق کرنے والوں) سے ہی ہے۔ کیونکہ پہلے یہ بیان کیا گیا ہے کہ ''پرہیزگار لوگ وہ ہیں جو خوشی اور تنگی و رنج ہر حال میں خدا کی راہ میں اپنا مال خرچ کرتے ہیں''۔

''اَلضَّرَّاء'' کا لفظ صراحت کے ساتھ حالتِ رنج کی نشاندہی کرتا ہے۔ ایسی حالتیں کئی مرتبہ انسانی زندگی میں آتی رہتی ہیں۔ چنانچہ اس حالت کو بیان کرنے کے فوراً بعد کہا گیا: ''وَالْکٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ'' یعنی رنج والم اور غم وغصہ کی حالت بھی انہیں ''اِنفاق فی سبیل اللہ'' سے باز نہیں رکھ سکتی اور وہ اس حال میں بھی راہِ خدا میں معمول کے مطابق عملِ انفاق جاری رکھتے ہیں۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ رنج والم کے لمحات میں غصے اور پریشانی سے مغلوب ہو کر احسان و اِنفاق کا وطیرہ ترک نہیں کرتے بلکہ رنج کو گویا پی جاتے ہیں اور اس طرح ان کا شعارِ حیات ہرگز متاثر نہیں ہونے پاتا۔

اِسی طرح دوسری صفت ''وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ'' بیان کی گئی ہے یعنی اگر کچھ لوگ ان سے دُرشتی و تلخی اور غیر مہذّب انداز سے پیش آئیں۔ یہاں تک کہ ان سے زیادتی بھی کر لیں، تب بھی وہ انتقاماً فعلِ انفاق کو ترک نہیں کرتے، بلکہ ان کے معاشی تعطل کو رفع کرنے کے لئے ان پر اپنا مال خرچ کرتے رہتے ہیں۔ حدیثِ نبوی ﷺ کے مطابق احسان اسی طرزِ عمل کا نام ہے جو دوسروں کی طرف سے زیادتی کے باوجود ان سے حسنِ سلوک اور مہربانی کے طور پر قائم رکھا جائے۔ خلاصۂ کلام یہ ہوا کہ خوشی و مسرت کی حالت ہو یا تنگی وعسرت کی، رنج و الم اور غم وغصہ کی حالت ہو یا کسی کی طرف سے ظلم و زیادتی کی، ہر حال میں ''انفاق فی المال'' کے عمل کو جاری رکھنا ''احسان'' ہے اور انہی احسان والوں سے اللہ تعالیٰ محبت کرتے ہیں۔

یہاں یہ نکتہ بخوبی سمجھ لیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کا کسی سے محبت کرنا بغیر اس سے

منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش www.MinhajBooks.com

راضی ہوئے نہیں ہو سکتا۔ جس کو باری تعالیٰ اپنا محبوب بنا لیں وہی شخص ''اِنسانِ مرتضیٰ'' کہلاتا ہے۔ اسی کو قرآنی اصطلاح میں ''محسن'' بھی کہتے ہیں اور ''متقی'' بھی، ''صالح'' بھی کہتے ہیں اور ''ولی'' بھی۔ لہٰذا ''اِنفاق فی المال'' حقیقی احسان بھی ہوا اور رضائے اِلٰہی کے حصول کا عملی طریق کار بھی۔

(۱) عملِ انفاق تزکیۂ مال کا باعث ہے

یہ بات اظہر من الشّمس ہے کہ رضائے اِلٰہی کے نصب العین کا محرک ''تزکیہ'' ہے۔ تزکیہ دو طرح کا ہوتا ہے: تزکیۂ مال اور تزکیۂ نفس۔ قرآن مجید کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ تزکیہ کی دونوں صورتیں ''انفاق'' پر منحصر ہیں اور دونوں آپس میں لازم وملزوم ہیں۔ آیئے اب ہم ان دونوں کا مختصر سا جائزہ لیتے ہیں:

قرآن مجید میں ارشادِ ربّانی ہے:

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ط اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ط وَاللهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ○ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَ يَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَاَنَّ اللهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ○ (۱)

''آپ ان کے اموال میں سے صدقہ (زکوٰۃ) وصول کیجئے کہ آپ اس (صدقہ) کے باعث انہیں (گناہوں سے) پاک فرمادیں اور انہیں (ایمان و مال کی پاکیزگی سے) برکت بخش دیں اوران کے حق میں دعا فرمائیں، بیشک آپ کی دعا ان کے لئے (باعثِ) تسکین ہے، اور اللہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے○ کیا وہ نہیں جانتے کہ بیشک اللہ ہی تو اپنے بندوں سے (ان کی) توبہ قبول فرماتا ہے اور صدقات (یعنی زکوٰۃ و خیرات اپنے

(۱) التوبة، ۹: ۱۰۳، ۱۰۴

دستِ قدرت سے) وصول فرماتا ہے اور یہ کہ اللہ ہی بڑا توبہ قبول فرمانے والا نہایت مہربان ہے٥“

پہلی آیت نے صراحت کے ساتھ مذکورہ بالا امر کی تائید کر دی کہ راہِ خدا میں اِنفاق (یعنی صدقہ) کے بغیر طہارت و تزکیہ ناممکن ہے۔ یہاں یہ نکتہ قابلِ غور ہے کہ ”صدقہ“ تو اہلِ ثروت کے مال سے حاصل کیا جا رہا ہے اور صاف ظاہر ہے کہ اِنفاق کا محل مال و دولت ہی ہوسکتی ہے۔ اب چاہیے تو یہ تھا کہ اس صدقہ و اِنفاق سے حاصل ہونے والی ”طہارت و تزکیہ“ کی اضافت بھی ان لوگوں کے مال کی طرف کی جاتی یعنی الفاظ یوں ہوتے:

تطهر أموالهم وتزكی أموالهم.

”(اس صدقہ کے ذریعے) آپ ان کے مال و دولت کو پاک، صاف اور ستھرا کر دیں۔“

یعنی جس مال میں سے صدقہ لے لیا گیا ہے وہ پاک، صاف اور ستھرا ہو گیا۔ اب بھی یقیناً یہ معنی تو موجود ہی ہے جس کی نفی نہیں ہوسکتی، لیکن قرآن مجید کی عبارت یوں ہے:

تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا.

”اس صدقہ کے ذریعے آپ ان کو پاک، صاف اور ستھرا کریں۔“

دونوں جگہ ”ھم“ کی ضمیر کا مرجع ظاہراً وہ لوگ ہیں جن کا مال راہِ خدا میں خرچ کرنے کے لئے حاصل کیا جا رہا ہے۔ اس اسلوبِ بیان سے یہ واضح کرنا مقصود تھا کہ ”صدقہ و انفاق، مال و دولت کا تزکیہ وطہارت تو کرتا ہی ہے مزید یہ کہ اس عمل سے اِنفاق اور صدقہ کرنے والوں کے نفوس کو بھی تزکیہ وطہارت نصیب ہو جاتی ہے۔“

گویا عملِ اِنفاق نہ صرف تزکیۂ مال کا بلکہ تزکیۂ نفس کا بھی باعث ہوتا ہے۔

مستزاد یہ کہ تزکیۂ نفس کی تمام دوسری کوششیں جو اِنفاق سے خالی ہوں اور دوسرے لوگوں کے حق میں بخل و اکتناز پر مبنی ہوں۔ کبھی بھی ''تزکیۂ نفس'' کے حصول میں کامیاب نہیں ہوسکتیں۔

(۲) عملِ اِنفاق تزکیۂ نفس کا باعث ہے

جس طرح ہم نے پہلے واضح کر دیا ہے کہ عملِ انفاق سے حاصل ہونے والا تزکیۂ مال بلاشک وشبہ ''تزکیۂ نفس'' کا باعث بنتا ہے۔ اس لئے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ عملِ انفاق تزکیۂ نفس کی یقینی صورت ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

وَ سَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقَیo الَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَهٗ یَتَزَکّٰیo وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓیo اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰیo وَلَسَوْفَ یَرْضٰیo (۱)

''اور اس (آگ) سے اس بڑے پرہیز گار شخص کو بچا لیا جائے گاo جو اپنا مال (اللہ کی راہ میں) دیتا ہے کہ (اپنے جان و مال کی) پاکیزگی حاصل کرےo اور کسی کا اس پر کوئی احسان نہیں کہ جس کا بدلہ دیا جا رہا ہوo مگر (وہ) صرف اپنے ربِ عظیم کی رضا جوئی کے لئے (مال خرچ کر رہا ہے)o اور عنقریب وہ (اللہ کی عطا سے اور اللہ اس کی وفا سے) راضی ہو جائے گاo''

مذکورہ بالا آیات سے درج شدہ اُصول مستنبط ہوتے ہیں:

۱۔ ''اِنفاق فی المال'' تقویٰ کی سب سے بڑی صورت ہے۔

۲۔ یہ دوزخ کے عذاب سے بچاؤ کی ضمانت ہے۔

۳۔ اِنفاق فی المال سے حقیقی تزکیۂ نفس نصیب ہوتا ہے۔

۴۔ عملِ انفاق صرف رضائے اِلٰہی کے حصول کی خاطر ہونا چاہیے۔

(۱) اللیل، ۹۲: ۱۷۔ ۲۱

۵۔ رضائے اِلٰہی کے حصول کی غرض سے اپنایا ہوا عملِ انفاق انسان کو یقیناً مرتضائے اِلٰہی بنا دیتا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہوا کہ عملِ انفاق تزکیۂ نفس کے ذریعے رضائے اِلٰہی کے نصب العین کے حصول کی ضمانت عطا کرتا ہے بلکہ تزکیۂ نفس اور رضائے اِلٰہی کی اصلی اور عملی اساس ہی ''اِنفاق فی المال'' ہے۔

(۳) اِنفاق فی المال ہی بِرّ وتقویٰ کی اساس ہے

کوئی شخص ''انفاق فی المال ہی اصل نیکی اور تقوی ہے'' کے اِس تصور کو انتہا پسندی سے تعبیر کرسکتا ہے لیکن ایسا سوچنا قرآنی تعلیمات کے منافی ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم نے ''انفاق'' کو معیشت کا مسئلہ اور ''نیکی اور تقویٰ'' کو مذہب کا مسئلہ بنا کر انہیں ایک دوسرے سے بالکل جدا کر دیا ہے۔ عصرِ حاضر میں مذہبی فکر کا یہی التباس نوجوان نسل کو معاشی مسئلے کی سنگینی کی بناء پر اشتراکیت کی طرف مائل ہونے پر مجبور کر رہا ہے اور اگر کسی سمت سے ''معیشت و مذہب'' کی حقیقی وحدت و عینیت کی بناء پر ''استحکامِ معیشت'' کی ضرورت کا نعرہ بلند کیا جاتا ہے تو مذہبی فکر کے نام نہاد علمبردار اور خود ساختہ اجارہ دار اسے الحاد و اشتراکیت کا نام دے دیتے ہیں۔ جس سے یہ تصور عام ہو جاتا ہے کہ شاید اسلام ''معاشی مسئلہ'' کو اس قدر بنیادی اہمیت دینے کے لئے تیار نہیں اور شاید اِسلام کے نزدیک بنیادی مسئلہ ''اخلاق و مذہب'' کا ہی ہے۔ اس تصور نے تعلیماتِ اِسلام کا چہرہ مسخ کر دیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ معاشی الجھنوں میں گرفتار ذہن، اِسلام سے وہ قلبی و عملی اور فکری و نظریاتی وابستگی اور وفاداری محسوس نہیں کرتا جو فی الحقیقت اُسے بحیثیت مسلمان ہونی چاہیے تھی۔ اِسلام سے اس فکری بُعد اور نظریاتی لاتعلقی کی ذمہ داری جدید نسل یا عوام پر نہیں بلکہ ان نام نہاد مبلغینِ اِسلام اور عمائدینِ مذہب پر عائد ہوتی ہے جنھوں نے اپنے ذہنی التباس کے باعث اِسلام میں معاشی مسئلے کی صحیح اہمیت اور معیشت و مذہب کے اصل تعلق کو نہیں سمجھا اور اس وجہ سے وہ عصرِ حاضر کے انسان کے پریشان کن مسائل کی صحیح

تشخیص نہیں کر سکے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لَن تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ. (۱)

’’تم ہرگز نیکی کو نہیں پہنچ سکو گے جب تک تم (اللہ کی راہ میں) اپنی محبوب چیزوں میں سے خرچ نہ کرو۔‘‘

یہاں ’’بِر‘‘ یعنی نیکی اور دینداری کا حصول ’’اِنفاق فی المال‘‘ کے بغیر ناممکن قرار دے دیا گیا ہے۔ قرآن مجید کا اس سے زیادہ صریح اعلان اور کیا ہوسکتا ہے کہ تمہاری نیکی صرف اور صرف خدا کے راستے میں اِنفاقِ مال پر منحصر ہے۔ گویا عام لفظوں میں ’’اِنفاق فی المال‘‘ ہی کو ’’بِر‘‘ یعنی نیکی قرار دے دیا گیا۔ اس آیت میں دو افراد کا ذکر ہے:

مُنفِقٌ: (اِنفاق کرنے والا۔ مالدار) یعنی وہ شخص جو اپنا مال دوسرے پر خرچ کر رہا ہے۔

مُنفَقٌ علیہ: (جس کے حق میں اِنفاق کیا گیا ہو۔ ضرورت مند) یعنی وہ شخص جس پر مال خرچ کیا جا رہا ہے۔

حصولِ بِرّ کے لئے عملِ انفاق

"منفَق علیہ" یا مستحقِ صدقہ جسے ضرورت مند بھی کہتے ہیں، موجود نہ ہو تو فعلِ اِنفاق کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اب قابلِ غور بات یہ ہے کہ آیتِ مذکورہ کے حوالے سے حصولِ بِرّ کے لئے ’’عملِ اِنفاق‘‘ ضروری ہے۔ عمل صرف ایک ہی ہے اور وہ ہے ’’اِنفاق فی المال‘‘۔ منفِق یعنی مال دار اس کا فاعل ہے اور "منفَق علیہ" یعنی ضرورت مند اس کا مفعول لہ ہے۔ اگر آپ فعلِ اِنفاق کے نتائج پر غور فرمائیں تو آپ کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ

(۱) آلِ عمران، ۳: ۹۲

جب مالدار اپنی دولت راہِ خدا میں کسی ضرورت مند پر خرچ کرے گا تو اس فعل کا نتیجہ اس مالدار کے حق میں ''نیکی اور دینداری'' کی صورت میں برآمد ہو گا جبکہ اِس ضرورت مند کے حق میں اِسی فعل کا نتیجہ ''استحکامِ معیشت'' کی صورت میں برآمد ہو گا۔ ''نیکی اور دینداری'' مذہب کا دوسرا نام ہے۔ گویا ''عملِ اِنفاق'' سے مالدار کا مذہب وابستہ ہے اور ضرورت مند کی معیشت۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ قرآن مجید یہ اعلان کر رہا ہے کہ لوگوں کے مسئلہ ''معیشت'' کو نظر انداز کر کے تم اپنے ''مذہب'' کی سلامتی حاصل نہیں کر سکتے۔ مذہبی فضائل کا حصول لوگوں کو معاشی تعطل سے نجات دلائے بغیر ناممکن ہے۔ یہ تو مذہب و معیشت کے باہمی تعلق اور ان کے استحکام کا فلسفہ تھا لیکن انفرادی طور پر جو اُصول اس آیت نے وضع کیا وہ یہ ہے کہ ''اصل نیکی'' اِنفاق سے ہی ممکن ہے اور اس کے بغیر کوئی بھی عمل نیکی قرار نہیں پا سکتا۔ حقیقی نیکی خدا کے نزدیک اِنفاق فی المال کے عمل سے ہی میسر آتی ہے۔

سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۷۷ کے الفاظ بھی اِسی حقیقت کی تائید کر رہے ہیں کہ اصل نیکی ''اِنفاق فی المال'' ہے۔ ارشاد فرمایا گیا:

وَ لٰکِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَ الْمَلٰٓئِکَةِ وَ الْکِتٰبِ وَ النَّبِیّٖنَ ۚ وَ اٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّهٖ ذَوِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ وَالسَّآئِلِیْنَ وَ فِی الرِّقَابِ.(۱)

''بلکہ اصل نیکی تو یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور (اللہ کی) کتاب پر اور پیغمبروں پر ایمان لائے، اور اللہ کی محبت میں (اپنا) مال قرابت داروں پر اور یتیموں پر اور محتاجوں پر اور مسافروں پر اور مانگنے والوں پر اور (غلاموں کی) گردنوں (کو آزاد کرانے) میں خرچ کرے۔''

اس آیت میں جملہ احکام و اعمال کو ''تصورِ نیکی'' میں بطور ضروری اجزاء کے

(۱) البقرۃ، ۲: ۱۷۷

شامل کیا گیا ہے لیکن قابلِ غور پہلو یہ ہے کہ قرآن مجید شرطِ ایمان پوری کرنے کے بعد نیکی کے حصول کا سب سے اوّلین تقاضا ''اِنفاق فی المال'' ہی کو قرار دے رہا ہے اور اس آیت کے آخر میں ارشاد فرمایا گیا:

اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ صَدَقُوۡا ؕ وَ اُولٰٓئِکَ هُمُ الۡمُتَّقُوۡنَ ۞(۱)

''یہی لوگ سچے ہیں اور یہی پرہیز گار ہیں ۞''

فرما دیا: ''یہی لوگ صاحبِ صدق ہیں اور یہی لوگ صاحبِ تقویٰ ہیں۔'' گویا بِرّ، صدق اور تقویٰ تمام تصوّرات کا تقاضائے اوّلین ''اِنفاق فی المال'' ہے۔ اس کے بغیر انسان صالحیت کے کسی مقام کو حاصل نہیں کرسکتا۔

یہ امر بڑا غورطلب ہے کہ قرآنِ حکیم میں جس جگہ بھی ''تقویٰ اور ''متقین'' کی تعریف بیان کی گئی ہے اس میں کہیں بھی ''اِنفاق فی المال'' کی صفت کو نظرانداز نہیں کیا گیا بلکہ اس عمل کو اس قدر نمایاں انداز سے پیش کیا گیا ہے کہ یہ ''عین تقویٰ'' یا تقویٰ کا جزوِ لاینفک معلوم ہوتا ہے۔

سورۃ البقرۃ میں متقین کی تعریف

قرآنِ مجید میں سب سے پہلے ''متقین'' کی اصطلاح اور اس کی تعریف سورۃ البقرۃ کے آغاز میں یوں وارد ہوئی ہے:

هُدًی لِّلۡمُتَّقِیۡنَ ۞ الَّذِیۡنَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡغَیۡبِ وَ یُقِیۡمُوۡنَ الصَّلٰوۃَ وَمِمَّا رَزَقۡنٰهُمۡ یُنۡفِقُوۡنَ ۞(۲)

''(یہ قرآن) پرہیزگاروں کے لئے ہدایت ہے ۞ جو غیب پر ایمان لاتے اور نماز کو (تمام حقوق کے ساتھ) قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں عطا کیا

(۱) البقرۃ، ۲: ۱۷۷

(۲) البقرۃ، ۲: ۲، ۳

ہے اس میں سے (ہماری راہ) میں خرچ کرتے ہیں o''

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ ''ایمان بالغیب'' اور ''اقامتِ صلوٰۃ'' یہ دو اوصاف تو ضروریاتِ دین میں سے ہیں۔ اجزائے ایمان اور ارکانِ اِسلام کا اہم حصہ اُنہی پر مبنی ہے۔ ان کے بغیر تو کسی شخص کا ایمان اور اِسلام ہی متحقق نہیں ہوسکتا۔ اِس لئے یہ دو شرائط تو ہر کسی کے ''صحیح مسلمان'' ہونے کے لئے مقدم ہیں۔ اب رہ گئی بات ان میں سے ''متقین'' کے انتخاب کی تو اس کے لئے صرف ایک شرط اور علامت کا اضافہ کیا گیا۔ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ (کہ ہمارے عطا کردہ رزق میں سے اِنفاق کرتے ہیں) گویا ''ایمان بالغیب'' سے کوئی شخص دائرہ اِسلام میں داخل ہوا۔ اقامتِ صلوٰۃ سے اس کا مسلمان ہونا بالفعل متحقق ہوا اور ''اِنفاق فی المال'' کے ذریعے حقیقت میں وہ صاحبِ تقویٰ قرار پایا۔

اسی طرح ''سورۃ آل عمران'' میں جنت کے استحقاق کا بیان ہے جس کے الفاظ اِس طرح ہیں:

وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَo الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ.(۱)

''اور اپنے رب کی بخشش اور اس جنت کی طرف تیزی سے بڑھو جس کی وسعت میں سب آسمان اور زمین آجاتے ہیں، جو پرہیزگاروں کے لئے تیار کی گئی ہے o یہ وہ لوگ ہیں جو فراخی اور تنگی (دونوں حالتوں) میں خرچ کرتے ہیں۔''

اِس آیت کا مفہوم اور اِس میں بیان ہونے والے دیگر اوصاف کی حقیقت پہلے واضح کی جا چکی ہے۔ یہاں صرف اتنا بتانا مقصود ہے کہ خدا کے ہاں ''متقین'' کی سب سے پہلی اور ضروری خصوصیت ''اِنفاق فی المال'' ہے۔ اِس کے بغیر قرآنی اصطلاح کے

(۱) آل عمران، ۳: ۱۳۳، ۱۳۴

مطابق کسی بھی صاحبِ عمل کو ''متقی'' قرار نہیں دیا جا سکتا۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی شان میں قرآنِ حکیم ''الاتقیٰ'' (بہت زیادہ متقی) کی اصطلاح استعمال کرتا ہے۔ یہ تقویٰ سے اسمِ تفصیل کا صیغہ ہے۔ اس کی تعریف بھی قرآن مجید ہی کے الفاظ میں ملاحظہ فرمایئے:

وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَی ○ الَّذِیْ يُؤْتِیْ مَالَهٗ يَتَزَکّٰی ○ (۱)

''اور اس (آگ) سے اس بڑے پرہیز گار شخص کو بچا لیا جائے گا ○ جو اپنا مال (اللہ کی راہ میں) دیتا ہے کہ (اپنے جان و مال کی) پاکیزگی حاصل کرے ○''

اِس آیت نے ''تقویٰ'' کا مبالغہ بھی ''اِنفاق'' کے عمل ہی سے متعین کیا اور ساتھ ہی اِس کا نتیجہ اِن الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

وَلَسَوْفَ يَرْضٰی ○ (۲)

''اور عنقریب وہ (اللہ کی عطا سے اور اللہ اس کی وفا سے) راضی ہو جائے گا ○''

یہی ہمارے موضوع کا ماحصل تھا کہ فعلِ اِنفاق رضائے اِلٰہی کے نصب العین کے حصول کی ضمانت مہیا کرتا ہے یعنی جو شخص ''اِنفاق فی المال'' کے ذریعے زیورِ تقویٰ سے آراستہ ہوگا، وہ نعمتِ رضائے اِلٰہی سے بھی ضرور بہرہ ور ہو کر رہے گا۔

(۴) عملِ اِنفاق اِجابتِ دعا کا باعث ہے

قرآن مجید میں ارشادِ باری ہے:

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَکِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ صَلٰوتَکَ سَکَنٌ لَّهُمْ ؕ وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ○ (۳)

(۱) اللّیل، ۹۲: ۱۷، ۱۸
(۲) اللّیل، ۹۲: ۲۱
(۳) التوبة، ۹: ۱۰۳

’’آپ ان کے اموال میں سے صدقہ (زکوٰۃ) وصول کیجئے کہ آپ اس (صدقہ) کے باعث انہیں (گناہوں سے) پاک فرمادیں اور انہیں (ایمان و مال کی پاکیزگی سے) برکت بخش دیں اور ان کے حق میں دعا فرمائیں، بیشک آپ کی دعا ان کے لئے (باعثِ) تسکین ہے، اور اللہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہےo‘‘

آیتِ متذکرہ میں ترتیبِ الفاظ پر غور کرنے سے درج ذیل تین امور سامنے آتے ہیں:

۱۔ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً.

’’ان کے مال میں سے راہِ خدا میں خرچ کرنے کے لئے صدقہ حاصل کیجئے۔‘‘

۲۔ تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيْهِمْ بِهَا.

’’اس طرح ان کے اموال اور ان کے نفوس پاک و صاف ہو جائیں گے۔‘‘

۳۔ وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ط اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ط وَاللهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌo

’’اور اب ان کے لئے دعائے خیر فرمایئے۔ بیشک آپ کی دُعا اُنہیں سکونِ قلب عطا کر دے گی اور اللہ تعالیٰ (دعاؤں کو) سننے والا اور (اعمال کو) جاننے والا ہےo‘‘

سب سے پہلے صدقہ و اِنفاق کا عمل جاری کرنے کی تلقین کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ اس ’’اِنفاق‘‘ کے ذریعے تمہاری ظاہری و باطنی میل کچیل دُور ہو جائے گی۔ تمہارا قلب و باطن اور نفس، رُوحانی آلودگیوں سے پاک و صاف ہو جائے گا۔ تزکیہ و تجلیہ کا یہ عمل جو محض ’’اِنفاق فی المال‘‘ کا نتیجہ و ثمرہ ہے۔ تمہیں ظلماتِ نفسانی سے نجات دلا دے گا۔ گویا خلقِ خدا کی منفعت اور فیض رسانی کو اپنا شعار بنا کر جب تم اپنے لئے بارگاہِ

ایزدی کی طرف متوجہ ہو گے تو تمہاری دُعائیں قبولیت کے ساتھ نوازی جائیں گی اور یہ قبولیتِ دعا کا احساس تمہیں قلبی سکون عطا کرے گا۔ بیشک اللہ تمہاری ان دعاؤں کو بھی سنتا ہے جو تم اپنی منفعت کے لئے مانگتے ہو اور تمہارے اس عمل کو بھی جانتا ہے جو تم دوسروں کی منفعت کی خاطر کرتے ہو (یا نہیں کرتے) گویا خلقِ خدا کے حق میں صدقہ و اِنفاق جتنا کثیر ہو گا اسی قدر اجابتِ دُعا نصیب ہو گی اور اگر اِنسان دوسروں کی منفعت سے صرفِ نظر کرتے ہوئے، دوسروں کے حقوق پامال کرتے ہوئے دوسروں کے حق میں نفع بخشی، فیض رسانی اور دردمندی کا عمل نظر انداز کرتے ہوئے خود کو اپنے ذاتی مفادات اور حقوق و منافع کے تنگ حصار میں محصور کر لے تو دُعائیں شانِ اجابت سے بہرہ ور نہیں ہوا کرتیں، رائیگاں تو وہ بھی نہیں جاتیں کیونکہ دُعا خود عبادت ہے اِس لئے ان کا اجر کسی نہ کسی طور مل ہی جاتا ہے لیکن دُعا کا مطلوبہ نتیجہ برآمد نہیں ہوسکتا۔

عام طور پر یہ سننے میں آتا ہے کہ ''ہماری تو دُعائیں بھی قبول نہیں ہوتیں۔ خدا جانے ہم نے کیا خطا کی ہے کہ ہمیں معافی بھی نصیب نہیں ہوتی۔ ہماری پریشانیاں ہی دُور نہیں ہوتیں'' وغیرہ وغیرہ۔

ہم اپنی دُعاؤں کی عدمِ قبولیت کا شکوہ تو کرتے ہیں لیکن اس امر کو نظر انداز کر دیتے ہیں کہ دعاؤں کی قبولیت کے لئے ایک عمل بطور شرط مقدم ہے اور ہم نے اس کو اپنی زندگی سے کلیتًا خارج کر دیا ہے۔ شرط پوری نہ ہو تو صلے کی کیا توقع ہوسکتی ہے؟ وہ شرط یہی ہے جس کا ذکر مجملاً اُوپر کیا جا چکا ہے، قرآن مجید آیتِ مذکورہ کے بعد اگلی آیت میں اس شرط کو نئے انداز اور پرزور طریقے سے دوبارہ بیان کر رہا ہے:

اَلَمْ یَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللهَ هُوَ یَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَ یَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَاَنَّ اللهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُo وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَیَرَى اللهُ عَمَلَكُمْ وَ رَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ.(۱)

(۱) التوبة، ۹: ۱۰۴، ۱۰۵

''کیا وہ نہیں جانتے کہ بیشک اللہ ہی تو اپنے بندوں سے (ان کی) توبہ قبول فرماتا ہے اور صدقات (یعنی زکوٰۃ و خیرات اپنے دستِ قدرت سے) وصول فرماتا ہے اور یہ کہ اللہ ہی بڑا توبہ قبول فرمانے والا نہایت مہربان ہےo اور فرما دیجئے: تم عمل کرو، سو عنقریب تمہارے عمل کو اللہ (بھی) دیکھ لے گا اور اس کا رسول (بھی) اور اہلِ ایمان (بھی)۔''

مدعائے آیت یہ ہے کہ اے خدا کے بندو! بے شک اللہ تعالیٰ تمہاری دُعائیں سنتے اور توبہ قبول فرماتے ہیں لیکن تمہاری دعاؤں کی قبولیت و اجابت کے لئے ایک شرط مقرر کر دی گئی ہے۔ وہ یہ کہ ہم نے تمہیں جس مال و دولت سے نوازا ہے وہ ہماری امانت ہے۔ تمہارے ہی معاشرے اور گرد و پیش میں ہمارے کتنے بندے ایسے ہیں جو معاشرتی ناانصافیوں کا شکار ہو کر معاشی تعطل کی نذر ہوگئے ہیں۔ تم اگر ان کی پریشانیوں کی پرواہ نہ کرو، ان کے معاشی تعطل کو رفع کرنا اپنا فرض نہ سمجھو، اُنہیں ضروریاتِ زندگی بہم پہنچا کر اُن کی تخلیقی جدوجہد بحال کرنے کی سعی نہ کرو اور ان سے دل سوزی و دردمندی کا عملی مظاہرہ نہ کرو تو ہم سے کیسے توقع رکھتے ہو کہ ہم تم پر راضی ہو جائیں گے کیونکہ ان پریشان حال لوگوں کا ہماری ذات سے اتنا گہرا تعلق ہے کہ جو کچھ بھی صدقہ و خیرات تم اُنہیں دینا چاہو وہ ہم براہِ راست اپنے دستِ قدرت سے وصول کرتے ہیں اور اپنی طرف سے اُنہیں عطا کرتے ہیں تاکہ ان کی عزتِ نفس مجروح نہ ہونے پائے۔ تمہاری حالت یہ ہے کہ تم یا تو ان کی پریشانیوں سے صرفِ نظر کئے رہتے ہو اور اگر کبھی اُن پر ترس کھا کر ان کی مالی اعانت کرتے بھی ہو تو اس قدر رعونت اور فخر و تمکنت کے ساتھ کہ وہ عمر بھر تمہارے احسان مند بنے رہیں۔ اس وقت تمہیں یہ خیال نہیں رہتا کہ یہ متکبرانہ اور متفخرانہ سلوک تم ان سے نہیں بلکہ اپنے خالق و مالک سے کر رہے ہو کیونکہ تمہارے صدقات وصول کرنے والا ہاتھ اُن لوگوں کا نہیں ''اللہ کا ہاتھ'' ہوتا ہے۔

غور تو کرو! اپنے رب سے ایسا نازیبا سلوک کرنے کے بعد تم توبہ اور دعا کی

عدمِ قبولیت کا شکوہ بھی کرتے ہو۔ وہ ذات تو توّاب و رحیم ہے اس لئے تمہیں پھر بھی بخش دیتی ہے۔

ذرا سوچو تو سہی کیا اس طرزِ عمل کے بعد تم کسی قسم کے انعام و اکرام کے مستحق قرار دیئے جا سکتے ہو؟ لٰہذا اجابت وقبولیتِ دُعا کی متعدد صورتوں میں سے سب سے نمایاں صورت یہی ہے کہ انسان خلقِ خدا کے حق میں رحیم و کریم بن جائے۔ پھر اس کے رحم و کرم کے بے کنار نظاروں سے لُطف اندوز ہو سکے گا۔ اس لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

من یرحم الناس یرحمه الله. (۱)

''جو بندوں پر رحم کرتا ہے اُسی پر خدا کی طرف سے بھی رحم کیا جاتا ہے۔''

(۵) عملِ اِنفاق تصدیقِ دین ہے اور ترکِ اِنفاق تکذیبِ دین

مذکورہ بالا عنوان اِس امر پر دلالت کرتا ہے کہ ''اِنفاق فی المال'' دینِ حق کے جملہ مقاصد کی تائید وتصدیق ہے اور اس سے انحراف دینِ حق کے جملہ مقاصد کی تکذیب و تردید ہے۔ اگر یہ حقیقت ہو تو پھر اِس بات کے تسلیم کرنے میں کوئی تامل نہیں ہو سکتا کہ فعلِ انفاق ہی حصولِ نصب العین کا واحد ذریعہ ہے اور اس کے بغیر مقصدِ حیات کو پانے کی کوئی صورت بھی ممکن نہیں۔ سب سے پہلے ہم اس کی شہادت دو ایسی قرآنی آیات سے پیش کرتے ہیں جن میں ''نیکی'' کی تصدیق اور تکذیب دونوں صورتوں کا موازنہ کیا گیا ہے، بلکہ اِس موازنے سے قبل بڑے حکیمانہ انداز سے ہر جنس میں تضاد کا ذکر کیا گیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَالَّيۡلِ اِذَا يَغۡشٰیo وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰیo (۲)

---

(۱) ۱۔ طبراني، المعجم الكبير، ۲: ۳۱۲، رقم: ۲۳۰۱
۲۔ بیهقي، شعب الإيمان، ۱: ۴۸۳، رقم: ۷۷۸
(۲) اللّیل، ۹۲: ۱، ۲

’’رات کی قَسم جب وہ چھا جائے (اور ہر چیز کو اپنی تاریکی میں چھپا لے)o
اور دن کی قَسم جب وہ چمک اٹھےo‘‘

ان دو آیات میں رات اور دن کا تضاد مذکور ہے اور ان کی الگ الگ علامتیں بھی بیان کی گئی ہیں۔ اِسی طرح ’’انسان‘‘ کی جنس کو بھی دو مختلف انواع میں تقسیم کر کے بیان کیا گیا ہے:

وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰىo(۱)

’’اور اس ذات کی (قَسم) جس نے (ہر چیز میں) نر اور مادہ کو پیدا فرمایاo‘‘

’’رات اور دن‘‘ اور ’’نر اور مادہ‘‘ کی مذکورہ بالا دو مثالیں اور ان کے تضادات کو حلفیہ انداز میں بیان کرنے کے بعد اب ارشاد فرمایا گیا:

اِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتّٰىo(۲)

’’بیشک تمہاری کوشش مختلف (اور جداگانہ) ہےo‘‘

یعنی کچھ لوگ اپنے عمل اور جدوجہد سے نیکی اور دین کی تصدیق کریں گے جبکہ کچھ لوگوں کی تگ و دو نیکی اور دین کی تکذیب سے عبارت ہو گی۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اس امر کا فیصلہ کس طرح ہو گا کہ کون نیکی کی تصدیق کر رہا ہے اور کون تکذیب؟

قرآن مجید نے اِس اَمر کا دوٹوک فیصلہ فرما دیا:

فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰىo وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰىo فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰىo وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰىo وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰىo فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰىo(۳)

(۱) اللّیل، ۹۲:۳

(۲) اللّیل، ۹۲:۴

(۳) اللیل، ۹۲:۵۔۱۰

’’پس جس نے (اپنا مال اللہ کی راہ میں) دیا اور پرہیزگاری اختیار کی○ اور اس نے (اِنفاق و تقویٰ کے ذریعے) اچھائی (یعنی دینِ حق اور آخرت) کی تصدیق کی○ تو ہم عنقریب اسے آسانی (یعنی رضائے الٰہی) کے لئے سہولت فراہم کر دیں گے○ اور جس نے بخل کیا اور (راہِ حق میں مال خرچ کرنے سے) بے پروا رہا○ اور اس نے (یوں) اچھائی (یعنی دینِ حق اور آخرت) کو جھٹلایا○ تو ہم عنقریب اسے سختی (یعنی عذاب کی طرف بڑھنے) کے لئے سہولت فراہم کر دیں گے (تاکہ وہ تیزی سے مستحقِ عذاب ٹھہرے)○‘‘

ان آیات کی تصریح کے بعد موضوعِ متذکرہ کی تائید میں مزید کسی دلیل کی حاجت نہیں رہتی۔ قرآنِ مجید نے بڑے واشگاف الفاظ میں ’’انفاق‘‘ کو نیکی کی تصدیق اور ’’بخل‘‘ کو نیکی کی تکذیب قرار دے دیا ہے۔ لہٰذا دینِ حق کی تصدیق و تکذیب کا معیار بھی لامحالہ یہی امتیاز قرار پائے گا۔ یہاں یہ پہلو بھی قابلِ توجہ ہے کہ مذکورہ بالا آیات میں نہ صرف انفاق کو ’’تصدیقِ حسنٰی‘‘ اور ترکِ انفاق کو ’’تکذیبِ حسنٰی‘‘ قرار دیا گیا ہے بلکہ یہ بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ جو شخص بھی ’’فعلِ انفاق‘‘ اپنائے گا اس کے لئے اس کی منزل اور نصب العین کا حصول نہایت آسان کر دیا جائے گا اور اس کے برعکس جو شخص بھی ترکِ انفاق یعنی بخل اور ارتکازِ دولت کے راستے پر گامزن ہوگا اس کے لئے منزلِ حق کا حصول دُشوار کر دیا جائے گا۔ اس قرآنی فیصلے میں کسی کے لئے کسی قسم کی کوئی استثنیٰ یا رعایت روا نہیں رکھی گئی۔ یہاں دو لفظ بڑے معنی خیز استعمال ہوئے ہیں:

مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى○ (۱)

’’جس نے بخل کیا اور (راہِ حق میں مال خرچ کرنے سے) بے پروا رہا○‘‘

’’بخل‘‘ سے مراد اپنے سرمایہ و دولت کو خرچ نہ کرنا ہے۔ یہ ’’انفاق‘‘ کی متضاد حالت ہے جو ارتکاز اور اکتناز کی تمام صورتوں کو محیط ہے اور ’’استغناء‘‘ سے یہاں مراد

(۱) اللیل، ۹۲: ۸

معاشرے کے حاجتمند طبقے کی معاشی ضروریات سے صرفِ نظر کرنا ہے۔ اس میں ایک خاص نقطہ نظر کی نشاندہی کی گئی ہے اور وہ یہ ہے کہ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر معاشرے میں کچھ لوگ معاشی تعطل کا شکار ہوں اور ان کی یہ حاجتمندی اور اضطراری حالت اُنہیں ضمیر فروشی، مصلحت کوشی اور عصمت فروشی تک مجبور کر رہی ہو تو یہ ان کی اپنی لا دینیت اور بے ضمیری ہے۔ اس کے ذمہ دار وہ خود ہیں یا معاشرہ ہے۔ ان کے معاملے میں ہمارے اُوپر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔ وہ لوگ ان کو اسی حالت میں چھوڑ کر اپنی دینداری اور پارسائی کے تحفظ میں مصروف رہنا چاہتا ہیں۔ قرآن مجید ایسے نام نہاد دینداروں اور پارساؤں کو جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر کہہ رہا ہے کہ جو شخص اپنی ذات اور انفرادی نیکیوں کے گنبد میں محصور رہ کر معاشرے کے دیگر پریشان حال لوگوں کے معاشی تعطل کو رفع کرنے کی کوئی کوشش نہیں کرتا بلکہ انہیں اپنے حال پہ چھوڑ کر مستغنی اور بے نیاز رہنا چاہتا ہے تو وہ جان لے کہ اس کا یہ عمل نیکی اور دین کی تصدیق نہیں بلکہ تکذیب ہے اور جس نے نیکی اور دین کی تکذیب کی روش کو اختیار کیا تو وہ عذابِ الٰہی کا مستحق ٹھہرا کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ كَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ۝ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ۝ (۱)

’’اور اس نے (یوں) اچھائی (یعنی دینِ حق اور آخرت) کو جھٹلایا۝ تو ہم عنقریب اسے سختی (یعنی عذاب کی طرف بڑھنے) کے لئے سہولت فراہم کر دیں گے (تاکہ وہ تیزی سے مستحقِ عذاب ٹھہرے)۝‘‘

ایسا رویہ اختیار کرنے والا شخص دائمی خسارہ میں رہتا ہے کیونکہ جس مال کو اس نے سنبھال کر رکھا اور اللہ کی راہ میں خرچ نہ کیا وہ مال آخرت میں اس کے کسی کام نہ آ سکے گا جہاں اس کو اس مال کی سخت ضرورت پڑ سکتی ہے۔ اس امر کی وضاحت کے ضمن میں قرآن مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ مَا يُغْنِىْ عَنْهُ مَالُهٗٓ اِذَا تَرَدّٰى ۝ (۲)

(۱) اللیل، ۹۲: ۹، ۱۰

(۲) اللیل، ۹۲: ۱۱

''اور اس کا مال اس کے کسی کام نہیں آئے گا جب وہ ہلاکت (کے گڑھے) میں گرے گاo''

(۶) سورۃ الماعون اور حقیقتِ اِنفاق

جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ حقیقت میں ''اِنفاق فی المال'' ہی تصدیق و تکذیبِ دین کا معیارِ امتیاز ہے۔ ''سورۃ الماعون'' کا پورا مضمون اِسی امر کی تائیدی شہادت فراہم کرتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یُکَذِّبُ بِالدِّیْنِo فَذٰلِکَ الَّذِیْ یَدُعُّ الْیَتِیْمَo وَلَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْکِیْنِo فَوَیْلٌ لِّلْمُصَلِّیْنَo الَّذِیْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَo الَّذِیْنَ هُمْ یُرَآءُوْنَo وَیَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَo(۱)

''کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جو دین کو جھٹلاتا ہے؟o تو یہ وہ شخص ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے (یعنی یتیموں کی حاجات کو رد کرتا اور انہیں حق سے محروم رکھتا ہے)o اور محتاج کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا (یعنی معاشرے سے غریبوں اور محتاجوں کے معاشی اِستحصال کے خاتمے کی کوشش نہیں کرتا)o پس افسوس (اور خرابی) ہے ان نمازیوں کے لئےo جو اپنی نماز (کی روح) سے بے خبر ہیں (یعنی انہیں محض حقوق اللہ یاد ہیں حقوق العباد بھلا بیٹھے ہیں)o وہ لوگ (عبادت میں) دکھلاوا کرتے ہیں (کیونکہ وہ خالق کی رسمی بندگی بجا لاتے ہیں اور پسی ہوئی مخلوق سے بے پرواہی برت رہے ہیں)o اور وہ برتنے کی معمولی سی چیز بھی مانگے نہیں دیتےo''

آپ نے مذکورہ بالا سورت کا مضمون اوّل سے آخر تک ملاحظہ فرما لیا۔ اس میں ''دین کے جھٹلانے والوں'' کی اصل پہچان بیان کی گئی ہے۔ یوں تو بدقسمتی سے ہمارے

(۱) الماعون، ۱۰۷: ۱۔ ۷

معاشرے کے اکثر لوگ اور بالخصوص مذہبی لیڈر ایک دوسرے کو یا عام گنہگار مسلمانوں کو ''مکذِّب بالدین'' یعنی دین کو جھٹلانے والا اور دین سے کفر کرنے والا قرار دیتے ہی رہتے ہیں لیکن اس سورت کے ذریعے ''تکذیبِ دین'' کا قرآنی معیار بھی جان لیجئے کہ وہ کیا ہے؟

قرآن مجید سوالیہ انداز میں اپنی بات کا آغاز کر رہا ہے کہ ''کیا آپ نے دین کو جھٹلانے والا شخص دیکھا ہے؟ یا کیا آپ جانتے ہیں کہ دین کو جھٹلانے والے کون لوگ ہیں؟'' پھر خود ہی اس کا جواب دیتا ہے۔ یہاں تصدیقِ دین اور تکذیبِ دین کے معیار کے طور پر کسی مسلک یا اعتقاد کی بات نہیں کی گئی، توحید اور شرک کے مسائل کو بیان نہیں کیا گیا کیونکہ عقائدِ صحیحہ تو ہر مسلمان کے لئے شرطِ اوّلین ہیں۔ یہاں بات ہو رہی ہے ان لوگوں کی جو مسلمان ہیں۔ عقیدۃً کافر یا ملحد و مشرک نہیں بلکہ نمازی بھی ہیں۔ قرآن مجید یہ واضح کرنا چاہتا ہے کہ مسلمانوں اور دینِ حق کے نام نہاد علمبرداروں میں بھی ''دین کے جھٹلانے والے'' موجود ہیں اور وہ کون ہیں؟ ان کی علامات کے طور پر قرآن مجید نے بقیہ آیات بیان کی ہیں۔

فَذَالِکَ الَّذِیْ یَدُعُّ الْیَتِیْمَ○

یہاں یتیم کا لفظ بطور علامت (Symbol) استعمال ہوا ہے اور اس سے مراد تمام خستہ حال لوگ ہیں۔ آیت میں بیان کردہ لوگ وہ ہیں جو معاشرے کے بے سہارا یتیموں سے نفرت کرتے ہیں۔ ان کی بھلائی اور ہمدردی و بہی خواہی کی کوئی تڑپ ان کے دلوں میں موجود نہیں ہوتی۔ ''دھکے دینے'' کا مطلب یہ ہے کہ انہیں اپنے "Status" یعنی معاشرتی حیثیت کے برابر نہ سمجھتے ہوئے خود سے دُور رکھتے ہیں۔ ان سے لاتعلقی، بیگانگی اور کبر و نخوت کا سلوک کرتے ہیں بلکہ اُنہیں معاشرے پر بوجھ تصور کرتے ہیں۔ اس آیت کے ذریعے قرآن مجید نے ایک مخصوص ذہنیت کی نشاندہی کی ہے جو نام نہاد ''بڑے لوگوں'' میں فراوانی کے ساتھ پائی جاتی ہے۔

وَلَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْکِیْنِ ۝

ان کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ وہ حاجتمندوں اور مسکینوں کی معاشی کفالت کرنے کے لئے نہ خود تیار ہوتے ہیں اور نہ اس کے لئے دوسروں کو تیار کرتے ہیں یعنی ان ضرورت مندوں کو معاشی تعطل سے نجات دلانے کے لئے ''اِنفاق فی المال'' نہیں کرتے۔ ''وَلَا یَحُضُّ'' میں یہ نکتہ بھی قابلِ غور ہے کہ ان کی جدوجہد کا رُخ کبھی بھی یہ نہیں ہوتا کہ معاشرے کے اہلِ ثروت افراد کا روّیہ غریب اور بے سہارا لوگوں کی نسبت بدلا جائے۔ ''ترغیب دلانے'' سے مراد یہ ہے کہ اپنے قول و فعل اور سعی و کاوش سے دوسرے لوگوں کو اس امر کا قائل کیا جائے کہ ہمارے مال و دولت میں صرف ہمارا ہی نہیں بلکہ معاشرے کے دیگر مستحق افراد کا بھی حق ہے جیسا کہ قرآن مجید میں مذکور ہے:

وَفِیْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۝[1]

''اور ان کے اموال میں سائل اور محروم (سب حاجت مندوں) کا حق مقرر تھا ۝''

جس چیز کو قرآن مجید ایجابی اور وجوبی طور پر ''حق'' سے تعبیر کر رہا ہے۔ دُنیا کی کوئی طاقت اُسے غیر ضروری یا محض نفل و استحباب قرار دے کر اس کی اہمیت کم نہیں کر سکتی۔ ''حق'' اُسے کہتے ہیں جس کا ادا کیا جانا ہر صورت میں ضروری ہوتا ہے۔ اگر دینے والا رضا و رغبت سے کسی کا حق ادا نہ کرے تو حق دار اپنا حق جبراً بھی لے سکتا ہے۔ لیکن اس کی صورت بھی باضابطہ ہو گی، بے ضابطہ نہیں۔ حق تو بہرحال حق ہی ہوتا ہے، کوئی مانے یا نہ مانے، ادا کرے یا نہ کرے، اس سے اس کی حقیقت متاثر نہیں ہو سکتی اور نہ کوئی قانون کسی حق دار کو اس کے حق سے محروم گردان سکتا ہے۔ اگر کچھ لوگ اپنی مجبوریوں اور معذوریوں کی بناء پر جائز طریقے سے اپنی ضروریات کے کفیل نہ ہو سکیں تو

(۱) الذٰریٰت، ۵۱: ۱۹

ان کی معاشی کفالت کا انتظام ان کا معاشرتی حق ہے جو اہلِ ثروت کے ذمے فرض اور لازم ہے۔ اگر وہ اپنا فرض ادا کریں تو اس میں کسی کا کوئی احسان نہیں ہوگا بلکہ حق دار کو اس کا حق مہیا کیا جا رہا ہوگا۔ ہاں اگر ان کا معاشرتی مقام بلند کرنے کے لئے ان پر زائد از ضرورت کچھ خرچ کیا جائے تو یہ ''فعلِ احسان'' ہوگا جو انسان کو ''انسانِ مرتضٰی'' کے مقام پر فائز کر دیتا ہے۔

گویا جو لوگ نہ اپنے اندر ایسا داعیہ اور عمل رکھتے ہیں اور نہ ہی اپنی تحریک سے دوسروں کو خودغرضانہ اور مفاد پرستانہ رویئے سے ہٹاتے ہیں بلکہ مسکینوں اور سفید پوش محتاجوں کو اسی مجبوری میں گرفتار دیکھ کر بے نیازی سے اپنا وقت گزار رہے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جو دین کو جھٹلانے والے ہیں، خواہ وہ بزعم خویش کتنے ہی دین دار بنتے پھریں۔

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ○ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ○ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ○

یہاں قرآن مجید نے ''اَلْمُصَلِّيْنَ'' کی اصطلاح استعمال کر کے ایک اور عقدہ حل کر دیا۔ وہ یہ کہ تکذیبِ دین (یعنی دین کو جھٹلانے) کا فعل ظاہری عبادات کے التزام کے باوجود بھی ہوسکتا ہے۔ یہ عین ممکن ہے کہ کچھ لوگ نماز وغیرہ کا اہتمام بھی کرتے ہوں لیکن اس کے باوجود ان کا طرزِ عمل دینِ حق کو جھٹلانے کے مترادف ہو۔ قرآن حکیم اس امر کی وضاحت بڑے زور دار الفاظ میں کر رہا ہے کہ تباہی اور ہلاکت یا عذابِ آخرت کے حق دار ہیں وہ لوگ جو نماز تو پڑھتے ہیں لیکن نماز کی رُوح ان کے عمل میں نہیں ہوتی یعنی روحِ نماز کو فراموش کئے ہوئے ہیں۔ اگر اس جگہ ''هُمْ عَنْ صَلٰوتِهِمْ سَاهُوْنَ'' سے مراد بھولنا یا یں معنی ہوتا کہ وہ نماز باقاعدگی سے نہیں پڑھتے یا نماز کو ترک کئے ہوئے ہیں تو ایسے لوگوں کو قرآن مجید کبھی بھی ''الْمُصَلِّيْن'' یعنی نمازی کی اصطلاح سے تعبیر نہ کرتا۔ قرآن حکیم کا ان لوگوں کے حق میں ''نمازی'' کا لقب استعمال کرنا اس حقیقت کو صراحت

کے ساتھ واضح کر رہا ہے کہ وہ ''فرض صلوٰۃ'' تو ادا کرتے ہیں کیونکہ تارکِ صلوٰۃ کو قرآن مجید ''مصلّی'' نہیں کہہ سکتا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص بالالتزام یعنی باقاعدگی سے نماز نہ پڑھتا ہو تو اسے بھی قرآن ''المصلّین'' (نمازیوں) کے زمرے میں شامل نہیں کر سکتا اور پھر ایسے لوگوں کو ''سَاهُوْنَ عَنِ الصَّلٰوۃ'' (نماز کو بھولے ہوئے) بھی نہیں کہا جا سکتا۔

''سَاهُوْنَ عَنِ الصَّلٰوۃ'' کی اصطلاح تقاضا کرتی ہے کہ نماز کو کلیتًا فراموش کر دیا گیا ہو۔

اور ''المُصلّین'' کی اصطلاح اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ وہ لوگ نماز پڑھتے ہوں۔

لہٰذا ''المُصلّین'' اور ''سَاهُوْنَ عَنِ الصَّلٰوۃ'' دونوں کا اکٹھا ہونا سوائے اس کے اور کسی صورت میں صحیح نہیں ہوسکتا کہ ''وہ ایسے لوگ ہیں جو نماز تو پڑھتے ہیں مگر اس کے باوجود نماز کو فراموش کئے ہوئے ہیں'' اس سے یہ ثابت ہوا کہ نماز پڑھ کر بھی نماز کو بھلایا جا سکتا ہے۔ یہ اس طرح ممکن ہے کہ نماز تو پڑھی جائے لیکن نماز کی اصل روح کو نظر انداز کر دیا جائے۔ الفاظِ قرآنی بھی اسی مفہوم کی تائید کرتے ہیں:

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ○ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ○ (۱)

''پس افسوس (اور خرابی) ہے ان نمازیوں کے لئے○ جو اپنی نماز (کی روح) سے بے خبر ہیں (یعنی انہیں محض حقوق اللہ یاد ہیں حقوق العباد بھلا بیٹھے ہیں)○''

اس کا مقصد یہ ہے کہ ''وہ لوگ نماز تو پڑھتے ہیں لیکن نماز ان سے جس چیز اور طرزِ عمل کا تقاضا کرتی ہے اس کو کلیتًا پسِ پشت ڈالے ہوئے ہیں۔'' اسی کو روحِ صلوٰۃ کا فراموش کرنا کہتے ہیں اور اسی وجہ سے ان کی نمازیں بارگاہِ ایزدی میں محض ریاکاری اور دکھلاوا قرار پا گئی ہیں۔

(۱) الماعون، ۱۰۷: ۴، ۵

(۷) معاشی بحالی کی جدوجہد ہی روحِ نماز ہے

سوال یہ ہے کہ آخر وہ روحِ نماز کیا ہے؟ جسے فراموش کر کے پڑھی جانے والی تمام نمازیں خدا کے نزدیک ریاکاری بن جاتی ہیں اور بجائے بھلائی یا ثواب کے آخرت میں اذیت ناک عذاب یا تباہی و بربادی کا باعث بن جاتی ہیں؟

اس رُوحِ نماز کو فراموش کرنے کا ذکر قرآن مجید اسی سورت میں پہلے ہی واضح کر چکا ہے۔ ”**فَذٰلِکَ الَّذِیْ یَدُعُّ الْیَتِیْمَ○ وَلَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْکِیْنِ○**“ یعنی اگر لوگ نماز پڑھ کر یہ سمجھیں کہ ہم نے اپنا فرضِ بندگی اور تقاضائے دین پورا کر دیا درآنحالیکہ وہ اپنے معاشرے کے ضرورت مندوں اور بے سہارا لوگوں کی معاشی پریشانیوں کی کوئی پرواہ نہ کریں اور نہ اُنہیں ابتلاء کی اذیتوں سے نجات دلانے کی کوشش کریں۔ قرآن حکیم ان لوگوں کو للکار کر کہہ رہا ہے کہ ”اس طرح فریضۂ بندگی اور تقاضائے دین پورا نہیں ہوسکتا۔ ایسا طرزِ عمل خدا کے نزدیک ”دین کی تکذیب“ ہے، ایسی نمازیں دکھلاوا اور ریاکاری ہیں اور یہ ریاکارانہ عبادات جنت کا نہیں دوزخ کا باعث ہوں گی۔“

خدا کی ذات تمہاری نمازوں اور دیگر عبادات کی محتاج نہیں اور نہ یہ عبادات مقصود بالذّات ہیں۔ نماز ہو یا کوئی اور عبادت وہ اسی لئے فرض کی جاتی ہے کہ وہ کسی اور اعلیٰ مقصد اور نصب العین کے حصول کا ذریعہ بنے، اگر مقصد نظر انداز ہو جائے اور ذریعہ خود مقصود و مطلوب قرار پا جائے تو اس ذریعے کی اپنی افادیت بھی ختم ہو جاتی ہے۔ جیسے دولت اِنسانی زندگی میں حصولِ آسائش کا ذریعہ ہے۔ اگر مقصدِ آسائش پیشِ نظر نہ رہے اور دولت خود مقصد بن جائے تو اسے ”بخل“ کہیں گے اور ایسی دولت بخیل کے لئے کسی افادیت و منفعت کا باعث نہ رہے گی بلکہ اس شخص کے لئے ایسی دولت کا وجود بھی عذاب بن جائے گا۔ اسی طرح نماز اور دیگر عبادات کا مقصد یہ ہے کہ ان کے ذریعے اِنسانی طرزِ عمل میں انقلاب آئے۔ انسان جس رب کے سامنے سربسجود ہو کر اس کی خالقیت و مالکیت اور اپنی غلامی و بندگی کا اعتراف کر رہا ہے، اسے چاہیے کہ اب اس کی مخلوق کی خدمت

کرے اور اسی کے حکم اور رضا کی خاطر اس کے پریشان حال بندوں کو آسودگی اور آسائش مہیا کرنے کے لئے خود کو وقف کر دے حتیٰ کہ اپنے وسائلِ دولت بھی سب سے پہلے خلقِ خدا کی معاشی ضروریات پر خرچ کرے۔ دردمندی اور نفع بخشی کے اسی طرزِ عمل کا نام ’’عین ایمان اور روحِ نماز‘‘ ہے جس کا ذکر ’’نیکی‘‘ کی تعریف میں قرآن مجید کے حوالے سے پہلے ہی کیا جا چکا ہے:

وَ لٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ ...... وَ اٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ.(۱)

’’بلکہ اصل نیکی تو یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ پر ایمان لائے ...... اور اللہ کی محبت میں (اپنا) مال قرابت داروں پر اور یتیموں پر اور محتاجوں پر اور مسافروں پر اور مانگنے والوں پر اور (غلاموں کی) گردنوں (کو آزاد کرانے) میں خرچ کرے۔‘‘

گویا بندگی یہ ہے کہ انسان کس حد تک اپنے خالق و مالک کی رضا کی خاطر اس کے پریشان حال بندوں سے عملی ہمدردی اور بہی خواہی کا مظاہرہ کرتا ہے۔ اگر دل میں انسانیت کا یہ درد اور جذبۂ خدمت نہ ہو بلکہ اس کے برعکس زندگی کا طرزِ عمل خود غرضانہ، مفاد پرستانہ اور بہیمانہ ہو تو کوئی عبادت، عبادت نہیں اور نہ کوئی نماز، نماز ہے۔ یہ عمل دکھلاوا اور ریاکاری ہے، جو انسان کو خدا کے قریب کرنے کی بجائے جہنم کا ایندھن بنا دے گا۔

نماز کی روح اور دینِ نبوی ﷺ کی اصل یہی ہے کہ محبتِ الٰہی میں بندگانِ خدا کی ہر ممکن خدمت کی جائے۔ معاشرے کے بے سہارا اور محتاج لوگوں کی خدمت و کفالت درحقیقت رضائے الٰہی اور قربِ الٰہی کا باعث ہے اور یہی مقصودِ صلوٰۃ ہے۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

يا عائشة! لا تردي المسكين ولو بشق تمرة يا عائشة! أحبي

(۱) البقرة، ۲: ۱۷۷

المساكين وقربيهم فإن الله يقربك يوم القيامة. (۱)

’’اے عائشہ! کسی بھی محتاج اور ضرورت مند کو مایوس نہ کر خواہ کھجور کی گٹھلی ہی کیوں نہ دے سکو۔ مزید یہ کہ غریب اور محتاج لوگوں سے محبت کیا کرو اور ان سے قربت حاصل کیا کرو۔ بیشک (اس کے صلہ میں) اللہ تعالیٰ روزِ قیامت تمہیں اپنے قرب سے نوازیں گے۔‘‘

اسی طرح ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

الساعي على الأرملة والمسكين كالمجاهد في سبيل الله وأحسبه قال: كالقائم لا يفتر وكالصائم لا يفطر. (۲)

---

(۱) ۱۔ ترمذي، السنن، كتاب الزهد، باب ما جاء أن فقراء المهاجرين يدخلون الجنة قبل أغنيائهم، ۴: ۵۷۷، رقم: ۲۳۵۲

۲۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۷: ۱۲، رقم: ۱۲۹۳۱

۳۔ بيهقي، شعب الإيمان، ۲: ۱۶۷، رقم: ۱۴۵۳

۴۔ منذري، الترغيب والترهيب، ۴: ۶۷، رقم: ۴۸۲۵

۵۔ مناوي، فيض القدير، ۲: ۱۵۲

۶۔ عجلوني، كشف الخفاء، ۱: ۲۰۷، رقم: ۵۳۸

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الأدب، باب الساعي على الأرملة، ۵: ۲۲۳۷، رقم: ۵۶۶۱

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الزهد والرقائق، باب الإحسان على الأرملة والمسكين واليتيم، ۴: ۲۲۸۶، رقم: ۹۲۸۲

۳۔ ابن ماجه، السنن، كتاب التجارات، باب من خلط في نذره طاعة بمعصية، ۲: ۷۲۴، رقم: ۲۱۴۰

۴۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۳۶۱، رقم: ۸۷۱۷

۵۔ طبراني، المعجم الأوسط، ۱: ۱۰۰، رقم: ۳۰۶

’’بیوہ عورتوں اور محتاجوں کی خدمت و اعانت کرنے والا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والوں کے برابر ہے اوراس نیکو کار کے برابر ہے جو (عمر بھر) ساری رات عبادت کرے اور دن کو روزے رکھے۔‘‘

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

أنا و كافل اليتيم في الجنة هكذا وأشار بالسبابة والوسطى. (۱)

’’میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے جیسے یہ دو انگلیاں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انگشتِ شہادت اور درمیانی انگلی سے اشارہ فرمایا۔‘‘

قرآن مجید میں ایک اور مقام پر سورۃ الماعون کی تعلیم کو اس طرح دہرایا گیا ہے:

وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّ يَتِيْمًا وَّ اَسِيْرًا ○ (۲)

’’اور (اپنا) کھانا اللہ کی محبت میں (خود اس کی طلب و حاجت ہونے کے باوجود اِیثاراً) محتاج کو اور یتیم کو اور قیدی کو کھلا دیتے ہیں ○‘‘

اس سلسلے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے معمول کی بہت سی مثالیں دی جا سکتی ہیں مثلاً حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا معمول یہ تھا:

---

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الطلاق، باب اللعان وقول الله تعالى والذين يرمون أزواجهم، ۵: ۲۰۳۲، رقم: ۴۹۹۸
۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الزهد والرقائق، باب الإحسان على الأرملة والمسكين واليتيم، ۴: ۲۲۸۷، رقم: ۲۹۸۳
۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۳۷۵، رقم: ۸۸۶۸
۴۔ ابن حبان، الصحيح، ۲: ۲۰۷، رقم: ۴۶۰
۵۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۸: ۱۶۲
(۲) الدهر، ۷۶: ۸

كان ابن عمر لا يأكل حتى يؤتى بمسكين يأكل معه.[1]

''حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ جب تک کوئی حاجت مندمل کر کھانا نہ کھاتا تا آپ کھانا تناول نہ فرماتے تھے۔''

(۸) غرباء کے معاشی حقوق کی ادائیگی اَصل دین داری ہے

جس طرح اوپر بیان ہو چکا ہے کہ روحِ نماز درحقیقت وہ جذبہ اور طرزِ عمل ہے جو معاشرے کے بے سہارا، ضرورت منداور پریشان حال لوگوں کی زندگی سنوارنے سے عبارت ہے اور یہی عمل اصلِ دین ہے۔

۱۔ قرآنِ مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَآ اَدْرٰکَ مَا الْعَقَبَةُo فَکُّ رَقَبَةٍo اَوْ اِطْعٰمٌ فِیْ یَوْمٍ ذِیْ مَسْغَبَةٍo یَّتِیْمًا ذَا مَقْرَبَةٍo اَوْ مِسْکِیْنًا ذَا مَتْرَبَةٍo ثُمَّ کَانَ مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِo اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ الْمَیْمَنَةِo وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاٰیٰتِنَا هُمْ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِo[2]

''اور آپ کیا سمجھے ہیں کہ وہ (دینِ حق کے مجاہدہ کی) گھاٹی کیا ہےo وہ (غلامی و محکومی کی زندگی سے) کسی گردن کا آزاد کرانا ہےo یا بھوک والے دن (یعنی قحط و اَفلاس کے دور میں غریبوں اور محروم المعیشت لوگوں کو) کھانا کھلانا ہے (یعنی ان کے معاشی تعطل اور ابتلاء کو ختم کرنے کی جدوجہد کرنا ہے)o قرابت دار یتیم کوo یا شدید غربت کے مارے ہوئے محتاج کو جو محض خاک

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الأطعمة، باب المؤمن يأكل في معي واحد، ۵: ۲۰۶۱، رقم: ۵۰۷۸

۲۔ أبو عوانه، المسند، ۵: ۲۰۹، رقم: ۸۴۱۷

(۲) البلد، ۹۰: ۱۲۔ ۱۹

نشین (اور بے گھر) ہےo پھر (شرط یہ ہے کہ ایسی جدّ و جہد کرنے والا) وہ شخص ان لوگوں میں سے ہو جو ایمان لائے ہیں اور ایک دوسرے کو صبر و تحمل کی نصیحت کرتے ہیں اور باہم رحمت و شفقت کی تاکید کرتے ہیںo یہی لوگ دائیں طرف والے (یعنی اہلِ سعادت و مغفرت) ہیںo اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا وہ بائیں طرف والے ہیں (یعنی اہلِ شقاوت و عذاب) ہیںo‘‘

مذکورہ بالا آیات نے ’’العقبۃ‘‘ (دینِ حق کی پیروی کا وہ اصل راستہ جو شہادت گہِ الفت ہے) کے عنوان سے جس عمل کا ذکر کیا ہے وہ صرف اور صرف ضرورت مندروں اور محتاجوں کے معاشی ابتلاء و تعطل کو دور کر کے انہیں زندگی میں آسودگی و آسائش مہیا کرنا ہے تاکہ وہ آزادی کے ساتھ اپنی تخلیقی جد و جہد جاری رکھ سکیں۔ بالآخر اسی عمل کو شرطِ ایمان قرار دے کر صبر و تحمل اور باہمی مودت و رحمت کی تلقین کی گئی ہے اور ایسے لوگوں کو ’’اصل دیندار اور جنتی‘‘ قرار دیا گیا ہے جبکہ اس طرزِ عمل اور ہدایاتِ ربّانی سے انکار و انحراف کرنے والوں کو بے دین اور جہنمی قرار دیا گیا ہے۔

۲۔ اسی طرح قوم ثمود کی تباہی و ہلاکت کو بیان کرتے ہوئے قرآنِ مجید ’’سورۃ الماعون‘‘ کے مضمون کو پھر دہراتا ہے جس سے بے دینی کے قرآنی تصور کا اندازہ ہوتا ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَo وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِo وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّاo وَّ تُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّاo[1]

’’یہ بات نہیں بلکہ (حقیقت یہ ہے کہ عزت اور مال و دولت کے ملنے پر) تم یتیموں کی قدر و اِکرام نہیں کرتےo اور نہ ہی تم مسکینوں (یعنی غریبوں اور محتاجوں) کو کھانا کھلانے کی (معاشرے میں) ایک دوسرے کو ترغیب دیتے

(۱) الفجر، ۸۹: ۱۷۔ ۲۰

ہو○ اور وراثت کا سارا مال سمیٹ کر (خود ہی) کھا جاتے ہو (اس میں سے افلاس زدہ لوگوں کا حق نہیں نکالتے)○ اور تم مال و دولت سے حد درجہ محبت رکھتے ہو○''

ان آیات کے بعد یہ فرمایا گیا کہ ایسے لوگ جہنم کے سخت عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ قرآن مجید نے صراحت کے ساتھ اس طرزِ عمل کو بے دینی اور قومِ ثمود کی تباہی کا باعث قرار دیا ہے۔

وَیَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ○

سورۃ الماعون میں ''دین کو جھٹلانے والوں'' کی آخری علامت یہ بیان کی گئی ہے کہ ان کی دسیسہ کاری کا یہ عالم ہے کہ وہ گھر کے برتنے کی معمولی چیزیں بھی اپنی ذات تک روک رکھتے ہیں۔ ان سے استفادہ و استعمال میں دوسروں کو شریک نہیں ہونے دیتے۔ یہاں عام نفع بخشی اور فیض رسانی کا تصور اپنے منتہائے کمال کو پہنچ گیا۔ قرآن مجید نے انسانی بہبود اور مفادِ عامہ کا وہ دینی ضابطہ مہیا کیا ہے کہ اشتراکیت سمیت دنیا کا کوئی اور نظامِ معیشت اس کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔ اشتراکیت تو صرف ''ذرائع پیداوار'' کو مشترکہ عوامی افادیت کی چیز بنانا چاہتی ہے اور جہاں تک ذاتی استعمال کی چیزوں یعنی اشیائے صرف کا تعلق ہے، ان میں ہر مالک کو مکمل آزادی اور غیر مشروط و غیر محدود تصرف کا حق دیتی ہے لیکن اسلام تصورِ انفاق کی صورت میں دین کا جو وجوبی ضابطہ عطا کرتا ہے۔ اس میں اشیائے صرف یعنی گھر کے استعمال کی چیزوں میں بھی دوسروں کو حقِ انتفاع دیتا ہے۔ کوئی مالک ان اشیاء کی ملکیت بھی اس طرح غیر محدود اور غیر مشروط نہیں رکھ سکتا کہ دوسروں کی ضرورت کے باوجود انہیں ان سے محروم رکھا جا سکے بلکہ ایسا طرزِ عمل قرآن مجید کے واضح اعلان کے مطابق تکذیبِ دین ہے جسے سادہ لفظوں میں اسلام کے ساتھ کفر کہا جا سکتا ہے۔

مذکورہ بالا دلائل وشواہد کے مطابق اس امر کوتسلیم کرنے میں کوئی تامل باقی نہیں رہنا چاہیے کہ ''انفاق فی المال'' ہی حقیقت میں تصدیقِ دین اور اس کا ترک تکذیبِ دین ہے۔ لہٰذا انفاق فی المال ہی رضائے الٰہی کے لئے عملی اساس کا درجہ رکھتی ہے۔

(۹) عملِ اِنفاق ہی رضائے اِلٰہی کی حقیقی اَساس ہے

اس اٹل اور نا قابلِ تردید حقیقت کو قرآن مجید نے ایک شاندار تمثیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللهِ وَ تَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۭ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ۚ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ؕ وَاللهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ○[۱]

''اور جو لوگ اپنے مال اللہ کی رضا حاصل کرنے اور اپنے آپ کو (ایمان و اطاعت پر) مضبوط کرنے کے لئے خرچ کرتے ہیں ان کی مثال ایک ایسے باغ کی سی ہے جو اونچی سطح پر ہو اس پر زوردار بارش ہو تو وہ دوگنا پھل لائے اور اگر اسے زور دار بارش نہ ملے تو (اسے) شبنم (یا ہلکی سی پھوار) بھی کافی ہو، اور اللہ تمہارے اعمال کو خوب دیکھنے والا ہے○''

اس آیت نے موضوعِ متذکرہ کی صحت و حقانیت پر مزید مہرِ تصدیق ثبت کر دی ہے۔ مدعائے آیت یہ ہے کہ جس طرح مرطوب آب و ہوا کے کسی علاقے میں اونچائی پر واقع باغ، بارش ہو یا نہ ہو، ہر حال میں پھل دیتا ہے اسی طرح ''انفاق فی المال'' تھوڑا ہو یا زیادہ ہر صورت میں رضائے الٰہی کا پھل لاتا ہے۔ رضائے الٰہی کے حصول کی حتمی ضمانت جس انداز سے ''عملِ انفاق'' کے نتیجے میں بیان کی گئی ہے کسی اور عمل کے نتیجے میں نہیں کی گئی۔ اس تمثیل کے ذریعے دراصل یہ واضح کیا گیا ہے کہ ممکن ہی نہیں کہ کوئی شخص رضائے

(۱) البقرة، ۲: ۲۶۵

الٰہی کی خاطر ''انفاق'' کرے اور اسے بالیقین رضائے الٰہیت کا ثمر نصیب نہ ہو۔ گویا ''انفاق فی المال'' اور ''رضائے الٰہی'' دونوں لازم و ملزوم ہیں یا ''شرط'' اور ''صلہ'' ہیں۔ اگر مطلوبہ شرط پوری کی جائے تو صلہ بہر صورت میسر آ کر رہے گا۔

قرآنِ مجید نے اسی تصور کو ایک اور مقام پر یوں بیان کیا ہے:

وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ يَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَ صَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ ؕ اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ؕ سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ وَ اَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ○(۱)

''اور بادیہ نشینوں میں (ہی) وہ شخص (بھی) ہے جو اللہ پر اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے اور جو کچھ (راہِ خدا میں) خرچ کرتا ہے اسے اللہ کے حضور تقرب اور رسول (ﷺ) کی (رحمت بھری) دعائیں لینے کا ذریعہ سمجھتا ہے، سن لو، بیشک وہ ان کے لئے باعث قربِ الٰہی ہے، جلد ہی اللہ انہیں اپنی رحمت میں داخل فرما دے گا۔ بیشک اللہ بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہے○ اور مہاجرین اور ان کے مددگار (انصار) میں سے سبقت لے جانے والے، سب سے پہلے ایمان لانے والے اور درجۂ احسان کے ساتھ اُن کی پیروی کرنے والے، اللہ ان (سب) سے راضی ہو گیا اور وہ (سب) اس سے راضی ہو گئے اور اس نے ان کے لئے جنتیں تیار فرما رکھی ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہیں، یہی زبردست کامیابی ہے○''

(۱) التوبۃ، ۹: ۹۹، ۱۰۰

پہلی آیت نے ’’انفاق فی المال‘‘ کو ایجابی طور پر قربِ الٰہی اور قرب و رضائے رسول ﷺ کا باعث قرار دیا ہے اور دوسری آیت نے اس عمل کو احسان کے ساتھ تعبیر کرتے ہوئے رضائے الٰہی کی حقیقی اساس قرار دیا ہے۔

ماحصل

خلاصۂ کلام یہ ہوا کہ حیاتِ انسانی کا اصل نصب العین اور مقصدِ وحید رضائے الٰہی کا حصول ہے۔ اس کے لئے تحریک ’’تزکیۂ نفس کی آرزو‘‘ کی صورت میں شروع ہوتی ہے اور اس کا حصول ’’فعلِ احسان‘‘ سے ہوتا ہے لیکن فعلِ احسان کی واحد عملی اساس اور حقیقی صورت ’’انفاق فی المال‘‘ ہے، اس کے بغیر نہ ’’احسان‘‘ کا کوئی مفہوم باقی رہتا ہے اور نہ حصولِ نصب العین کی کوئی سبیل۔ اس لئے ضروری ہے کہ ہم ’’انفاق فی المال‘‘ کی اہمیت و مقام کو سمجھتے ہوئے اس کو اپنی روزمرہ زندگی کے امور کا حصہ بنائیں۔

(۱۰) اِنفاق فی المال کے معاشی ثمرات

انفاق فی المال جہاں قربِ الٰہی، جذبۂ ایثار، حصولِ تقویٰ، علامتِ ایمان، طہارت و پاکیزگی، خیر و برکت، عمر میں اضافہ اور مصائب سے نجات دلاتا ہے وہاں اس کے معاشی ثمرات بھی بے حساب ہیں۔ ذیل میں ہم انفاق فی المال کی معاشی اہمیت و ثمرات کا جائزہ پیش کرتے ہیں:

۱۔ امیر اور غریب کے درمیان خلیج کم ہو جاتی ہے۔

Decreasing the gap between Haves and Have-nots

۲۔ امیر اور غریب کے درمیان کشمکش، نفرت، عناد اور فساد کو دور کرنے میں مدد ملتی ہے۔

Removal of the rift between the Rich and the Poor

۳۔ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے حصول کی خاطر غرباء اور مساکین وغیرہ پر خرچ کرنے

والا فضول خرچی نہیں کرتا۔

Discouraging prodigality

۴۔ انفاق فی المال کے ذریعے تقسیمِ دولت میں توازن اور نظم پیدا ہوتا ہے۔

Balance and Discipline in the Distribution of Wealth

۵۔ احتکار اور اکتناز کی حوصلہ شکنی ہوتی ہے۔

Discouraging Accumulation and Hoarding

۶۔ ملک سے بے روزگاری (Unemployment) دور کرنے میں مدد ملتی ہے۔

۷۔ حاجت مندوں کی کفالت کا بندوبست ہو جاتا ہے۔

۸۔ پیشہ ور گداگری، دوسروں پر بوجھ بننا اور معاشی جدوجہد سے اجتناب کی حوصلہ شکنی ہوتی ہے۔

۹۔ معیشت میں دولت کی گردش (Circulation of Wealth) سے اشیاء اور خدمات میں اضافہ ہو جاتا ہے اور تجارت کے فروغ کی وجہ سے معاشی ترقی (Economic Development) کا حصول آسان اور یقینی ہو جاتا ہے۔

۱۰۔ جب نادار، ضرورت مند اور معاشی استحصال کا شکار افراد کو روزگار ملتا ہے تو نہ صرف معاشی مثبت نتائج سامنے آتے ہیں بلکہ معاشرہ سے بہت سی معاشرتی برائیاں (چوری، ڈاکہ زنی، رہزنی، نفرت، حسد، قتل و غارت وغیرہ) بھی ختم ہو جاتی ہیں اور ملک معاشی ترقی کی طرف گامزن ہو جاتا ہے۔

www.MinhajBooks.com

مآخذ و مراجع

۱۔ القرآن الحکیم۔

۲۔ **آلوسی،** محمود بن عبد اللہ حسینی (۱۲۱۷۔۱۲۷۰ھ/۱۸۰۲۔۱۸۵۴ء)۔ **روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی**۔ بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی۔

۳۔ **ابن اثیر،** ابو السعادات مبارک بن محمد بن محمد بن عبد الکریم بن عبد الواحد شیبانی جزری (۵۴۴۔۶۰۶ھ/۱۱۴۹۔۱۲۱۰ء)۔ **النہایہ فی غریب الحدیث والاثر**۔ قم، ایران: مؤسسہ مطبوعاتی اسماعیلیان، ۱۳۶۴ھ۔

۴۔ **احمد بن حنبل،** ابو عبد اللہ بن محمد (۱۶۴۔۲۴۱ھ/۷۸۰۔۸۵۵ء)۔ **المسند**۔ بیروت، لبنان: المکتب الاسلامی، ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء۔

۵۔ **اقبال،** ڈاکٹر علامہ محمد (۱۹۳۸ء)۔ **کلیات (فارسی)**۔ لاہور پاکستان: شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۸۵ء۔

۶۔ **بخاری،** ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ (۱۹۴۔۲۵۶ھ/۸۱۰۔۸۷۰ء)۔ **الصحیح**۔ بیروت، لبنان + دمشق، شام: دار القلم، ۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء۔

۷۔ **بخاری،** ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ (۱۹۴۔۲۵۶ھ/۸۱۰۔۸۷۰ء)۔ **الأدب المفرد**۔ بیروت، لبنان: دار البشائر الاسلامیہ، ۱۴۰۹ھ/۱۹۸۹ء۔

۸۔ بزار، ابو بکر احمد بن عمرو بن عبد الخالق بصری (۲۱۰۔۲۹۲ھ/ ۸۲۵۔۹۰۵ء)۔ المسند۔ بیروت، لبنان: مؤسسہ علوم القرآن، ۱۴۰۹ھ۔

۹۔ بزار، ابو بکر احمد بن عمرو بن عبد الخالق بصری (۲۱۰۔۲۹۲ھ/ ۸۲۵۔۹۰۵ء)۔ المسند۔ مدینہ منورہ، سعودی عرب: مکتبۃ العلوم والحکم۔

۱۰۔ بیہقی، ابو بکر احمد بن حسین بن علی بن عبد اللہ بن موسیٰ (۳۸۴۔۴۵۸ھ/ ۹۹۴۔ ۱۰۶۶ء)۔ السنن الکبریٰ۔ مکہ مکرمہ، سعودی عرب: مکتبہ دار الباز، ۱۴۱۴ھ/ ۱۹۹۴ء۔

۱۱۔ بیہقی، ابو بکر احمد بن حسین بن علی بن عبد اللہ بن موسیٰ (۳۸۴۔۴۵۸ھ/ ۹۹۴۔ ۱۰۶۶ء)۔ شعب الإیمان۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۰ھ/ ۱۹۹۰ء۔

۱۲۔ ترمذی، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ بن موسیٰ بن ضحاک سلمی (۲۱۰۔۲۷۹ھ/ ۸۲۵۔۸۹۲ء)۔ الجامع الصحیح۔ بیروت، لبنان: دار الغرب الاسلامی، ۱۹۹۸ء۔

۱۳۔ جرجانی، علی بن محمد بن علی، سید شریف (۷۴۰۔ ۸۱۶ھ)۔ التعریفات۔ بیروت، لبنان: عالم الکتب، ۱۴۱۶ھ/ ۱۹۹۶ء۔

۱۴۔ حاکم، ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ بن محمد (۳۲۱۔۴۰۵ھ/ ۹۳۳۔۱۰۱۴ء)۔ المستدرک علی الصحیحین۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۱ھ/ ۱۹۹۰ء۔

۱۵۔ حاکم، ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ بن محمد (۳۲۱۔۴۰۵ھ/ ۹۳۳۔۱۰۱۴ء)۔ المستدرک علی الصحیحین۔ مکہ، سعودی عرب: دار الباز للنشر و التوزیع۔

۱۶۔ **ابن حبان،** ابو حاتم محمد بن حبان بن احمد بن حبان (۲۷۰۔۳۵۴ھ/۸۸۴۔ ۹۶۵ء)۔ **الصحیح**۔ **بیروت، لبنان**: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۳ء۔

۱۷۔ **ابن حزم،** علی بن احمد بن سعید اندلسی (۳۸۴۔۴۵۶ھ/۹۹۴۔۱۰۶۴ء)۔ **المحلی**۔ **بیروت، لبنان**: دار الآفاق الجدیدہ۔

۱۸۔ **ابن حزم،** علی بن احمد بن سعید اندلسی (۳۸۴۔۴۵۶ھ/۹۹۴۔۱۰۶۴ء)۔ **المحلی**۔ **بیروت، لبنان**: دار الفکر۔

۱۹۔ **حسام الدین ہندی،** علاء الدین علی متقی (م ۹۷۵ھ)۔ **کنز العمال فی سنن الأقوال و الأفعال**۔ **بیروت، لبنان**: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء۔

۲۰۔ **ابو داؤد،** سلیمان بن اشعث بن اسحاق بن بشیر بن شداد ازدی سجستانی (۲۰۲۔ ۲۷۵ھ/ ۸۱۷۔۸۸۹ء)۔ **السنن**۔ **بیروت، لبنان**: دار الفکر، ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۴ء۔

۲۱۔ **دار قطنی،** ابو الحسن علی بن عمر بن احمد بن مہدی بن مسعود بن نعمان (۳۰۶۔ ۳۸۵ھ/۹۱۸۔۹۹۵ء)۔ **السنن**۔ **بیروت، لبنان**: دار المعرفہ، ۱۳۸۶ھ/ ۱۹۶۶ء۔

۲۲۔ **دارمی،** ابو محمد عبد اللہ بن عبد الرحمٰن (۱۸۱۔۲۵۵ھ/ ۷۹۷۔۸۶۹ء)۔ **السنن**۔ **بیروت، لبنان**: دار الکتاب العربی، ۱۴۰۷ھ۔

۲۳۔ **دیلمی،** ابو شجاع شیرویہ بن شہردار بن شیرویہ بن فناخسرو ہمذانی (۴۴۵۔۵۰۹ھ/ ۱۰۵۳۔۱۱۱۵ء)۔ **الفردوس بمأثور الخطاب**۔ **بیروت، لبنان**: دار الکتب العلمیہ، ۱۹۸۶ء۔

۲۴۔ **راغب اصفہانی،** ابو قاسم حسین بن محمد (م ۵۰۲ھ/ ۱۱۰۸ء)۔ **المفردات الفاظ القرآن**۔ **دمشق، شام**: دار القلم۔

۲۵۔ **زمخشری،** امام جار اللہ محمد بن عمر بن محمد خوارزمی (۴۶۷۔۵۳۸ھ)۔ **الکشاف**

عن حقائق غوامض التنزیل۔ بیروت، لبنان: دار الکتاب العربی۔

۲۶۔ **سعید بن منصور،** ابو عثمان الخراسانی (م ۲۲۷ھ)۔ **السنن۔** بھارت: الدار السّلفیہ، ۱۹۸۲ء۔

۲۷۔ **سعید بن منصور،** ابو عثمان الخراسانی (م ۲۲۷ھ)۔ **السنن۔** ریاض، سعودی عرب: دار العصیمی، ۱۴۱۴ھ۔

۲۸۔ **السید سابق** (۱۳۳۳۔۱۴۲۰ھ)۔ **فقہ السنہ۔** بیروت، لبنان: دار الکتاب العربی۔

۲۹۔ **شاہ ولی اللہ،** محدث دہلوی (۱۱۱۴۔۱۱۷۶ھ)۔ **حجۃ اللہ البالغۃ۔** لاہور، پاکستان: المکتبۃ السّلفیہ۔

۳۰۔ **شعرانی،** عبد الوھاب بن احمد بن علی بن احمد بن محمد بن موسیٰ (۸۹۸۔۹۷۳ھ/ ۱۴۹۳۔ ۱۵۶۵ء)۔ **کشف الغمہ عن جمیع الأمہ۔** بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۸ء۔

۳۱۔ **شوکانی،** محمد بن علی بن محمد (۱۱۷۳۔۱۲۵۰ھ/۱۷۶۰۔۱۸۳۴ء)۔ **نیل الأوطار شرح منتقی الأخبار۔** بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۲ء۔

۳۲۔ **ابن أبی شیبہ،** ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابراہیم بن عثمان کوفی (۱۵۹۔۲۳۵ھ/ ۷۷۶۔ ۸۴۹ء)۔ **المصنف۔** ریاض، سعودی عرب: مکتبۃ الرشد، ۱۴۰۹ھ۔

۳۳۔ **طبرانی،** سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطیر اللخمی (۲۶۰۔۳۶۰ھ/ ۸۷۳۔۹۷۱ء)۔ **المعجم الأوسط۔** ریاض، سعودی عرب: مکتبۃ المعارف، ۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۵ء۔

۳۴۔ **طبرانی،** سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطیر اللخمی (۲۶۰۔۳۶۰ھ/ ۸۷۳۔۹۷۱ء)۔ **المعجم الکبیر۔** موصل، عراق: مطبعۃ الزہراء۔

۳۵۔ **طبرانی،** سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطیر اللخمی (۲۶۰۔۳۶۰ھ/ ۸۷۳۔۹۷۱ء)۔ **المعجم الکبیر**۔ قاہرہ، مصر: مکتبہ ابن تیمیہ۔

۳۶۔ **ابن عابدین شامی،** محمد بن محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز عابدین دمشقی (۱۲۴۴۔ ۱۳۰۶ھ)۔ **رد المحتار علی در المختار**۔ کوئٹہ، پاکستان: مکتبہ ماجدیہ، ۱۳۹۹ھ۔

۳۷۔ **ابو عبید،** قاسم بن سلام (م ۲۲۴ھ)۔ **کتاب الأموال**۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۴۰۸ھ/ ۱۹۸۸ء۔

۳۸۔ **عجلونی،** ابو الفداء اسماعیل بن محمد بن عبد الهادی بن عبد الغنی جراحی (۱۰۸۷۔ ۱۱۶۲ھ/ ۱۶۷۶۔۱۷۴۹ء)۔ **کشف الخفا ومزیل الألباس**۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۵ء۔

۳۹۔ **ابن حجرعسقلانی،** احمد بن علی بن محمد بن محمد بن علی بن احمد کنانی (۷۷۳۔ ۸۵۲ھ/ ۱۳۷۲۔ ۱۴۴۹ء)۔ **فتح الباری**۔ لاہور، پاکستان: دار نشر الکتب الاسلامیہ، ۱۴۰۱ھ/ ۱۹۸۱ء۔

۴۰۔ **ابو عوانہ،** یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم بن زید نیشاپوری (۲۳۰۔۳۱۶ھ/ ۸۴۵۔ ۹۲۸ء)۔ **المسند**۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ، ۱۹۹۸ء۔

۴۱۔ **قرطبی،** ابوعبد اللہ محمد بن احمد بن محمد بن یحیٰی بن مفرج اُموی (۲۸۴۔۳۸۰ھ/ ۸۹۷۔۹۹۰ء)۔ **الجامع لأحکام القرآن**۔ بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی۔

۴۲۔ **قضاعی،** ابوعبداللہ محمد بن سلامہ بن جعفر بن علی بن حکمون بن ابراہیم بن محمد بن مسلم (م ۴۵۴ھ/۱۰۶۲ء)۔ **مسند الشہاب**۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۴۰۷ھ/ ۱۹۸۶ء۔

منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش
www.MinhajBooks.com

۴۳۔ **الکتانی،** محمد عبدالحی بن عبدالکبیر بن محمد الحسنی الادریسی (۱۳۰۵۔۱۳۸۲ھ/ ۱۸۸۸۔۱۹۶۲ء)۔ **نظام الحكومة النبوية المسمى التراتيب الإدارية۔** بیروت، لبنان: دارالکتب العلمیہ، ۱۴۲۲ھ/ ۲۰۰۱ء۔

۴۴۔ **ابن کثیر،** ابو الفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر بن ضوء بن کثیر بن زرع بصروی (۷۰۱۔۷۷۴ھ/۱۳۰۱۔۱۳۷۳ء)۔ **البدایہ والنہایہ۔** بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۸ء۔

۴۵۔ **ابن ماجہ،** ابو عبد اللہ محمد بن یزید قزوینی (۲۰۹۔۲۷۳ھ/۸۲۴۔۸۸۷ء)۔ **السنن۔** بیروت، لبنان: دارالکتب العلمیہ، ۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۸ء۔

۴۶۔ **مسلم،** ابو الحسین ابن الحجاج بن مسلم بن ورد قشیری نیشاپوری (۲۰۶۔۲۶۱ھ/ ۸۲۱۔۸۷۵ء)۔ **الصحیح۔** بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی۔

۴۷۔ **مقدسی،** محمد بن عبد الواحد بن احمد بن عبد الرحمٰن بن اسماعیل بن منصوری حنبلی (۵۶۹۔۶۴۳ھ/۱۱۷۳۔۱۲۴۵ء)۔ **الأحاديث المختاره۔** مکہ مکرمہ، سعودی عرب: مكتبة النهضة الحديثة، ۱۴۱۰ھ/۱۹۹۰ء۔

۴۸۔ **مناوی،** عبد الرؤف بن تاج العارفین بن علی بن زین العابدین (۹۵۲۔ ۱۰۳۱ھ/۱۵۴۵۔۱۶۲۱ء)۔ **فیض القدیر شرح الجامع الصغیر۔** مصر: مکتبہ تجاریہ کبریٰ، ۱۳۵۶ھ۔

۴۹۔ **منذری،** ابو محمد عبد العظیم بن عبد القوی بن عبد اللہ بن سلامہ بن (۵۸۱۔ ۶۵۶ھ/ ۱۱۸۵۔ ۱۲۵۸ء)۔ **الترغیب والترهیب۔** بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۷ھ۔

۵۰۔ **ابن منظور،** محمد بن مکرم بن علی بن احمد بن ابی قاسم بن حبقہ افریقی (۶۳۰۔ ۷۱۱ھ/۱۲۳۲۔۱۳۱۱ء)۔ **لسان العرب۔** بیروت، لبنان: دار صادر۔

۵۱۔ **نسائی**، ابو عبد الرحمٰن احمد بن شعیب بن علی بن سنان بن بحر بن دینار (۲۱۵۔ ۳۰۳ھ/ ۸۳۰۔۹۱۵ء)۔ السنن۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۶ھ/ ۱۹۹۵ء۔

۵۲۔ **نسائی**، ابو عبد الرحمٰن احمد بن شعیب بن علی بن سنان بن بحر بن دینار (۲۱۵۔ ۳۰۳ھ/ ۸۳۰۔۹۱۵ء)۔ السنن الکبری۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۱ھ/ ۱۹۹۱ء۔

۵۳۔ **ابو نعیم**، احمد بن عبد اللہ بن احمد بن اسحاق بن موسیٰ بن مہران اصبہانی (۳۳۶۔ ۴۳۰ھ/ ۹۴۸۔۱۰۳۸ء)۔ حلیة الأولیاء وطبقات الأصفیاء۔ بیروت، لبنان: دار الکتاب العربی، ۱۴۰۰ھ/ ۱۹۸۰ء۔

۵۴۔ **نووی**، ابو زکریا یحییٰ بن شرف بن مری بن حسن بن حسین بن محمد بن جمعہ بن حزام (۶۳۱۔۶۷۷ھ/ ۱۲۳۳۔۱۲۷۸ء)۔ شرح صحیح مسلم۔ کراچی، پاکستان: قدیمی کتب خانہ، ۱۳۷۵ھ/ ۱۹۵۶ء۔

۵۵۔ **ہیثمی**، نور الدین ابو الحسن علی بن ابی بکر بن سلیمان (۷۳۵۔۸۰۷ھ/ ۱۳۳۵۔ ۱۴۰۵ء)۔ مجمع الزوائد۔ قاہرہ، مصر: دار الریان للتراث۔

۵۶۔ **ہیثمی**، نور الدین ابو الحسن علی بن ابی بکر بن سلیمان (۷۳۵۔۸۰۷ھ/ ۱۳۳۵۔ ۱۴۰۵ء)۔ مجمع الزوائد۔ بیروت، لبنان: دار الکتاب العربی، ۱۴۰۷ھ/ ۱۹۸۷ء۔

۵۷۔ **ابو یعلیٰ**، احمد بن علی بن مثنی بن یحییٰ بن عیسیٰ بن ہلال موصلی تمیمی (۲۱۰۔۳۰۷ھ/ ۸۲۵۔۹۱۹ء)۔ المسند۔ دمشق، شام: دار المامون للتراث، ۱۴۰۴ھ/ ۱۹۸۴ء۔

www.MinhajBooks.com